فرہاد علی تیمور سیریز
شہر ظلمات
محی الدین نواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرہاد علی تیمور سیریز

"شہر ظلمات"

مصنف:۔ محی الدین نواب

زیر ادارت:۔

خالد ظہور پبلیکیشنز
۹۔ گراؤنڈ فلور فلک ناز سینٹر
مین شاہراہ فیصل، کراچی ۱۱
پوسٹل کوڈ ۷۵۲۰۰، پاکستان

KHALID ZAHOOR
PUBLICATIONS

"شہر ظلمات"

مصنّف و مُصوّر " محیُ الدّین نواب

ناشران " خالد رشید، ظہور احمد خان

کتابت " سید برادرز کمپیوٹر سینٹر سی۔۲۵۲
بلاک بی۔۹ لطیف آباد حیدر آباد 862695

طباعت " ایجوکیشنل پریس۔ کراچی

قیمت " ۴۰/= روپے

مقامِ اشاعت " ۹۔ گراؤنڈ فلور فلک ناز سینٹر
مین شاہراہ فیصل۔ کراچی ۱۱،

پوسٹل کوڈ ۷۵۲۰۰، پاکستان۔

عرض کرتا ہوں ....

یہ اکیسویں صدی ہے۔

تاریخ پچیس دسمبر ۲۰۱۶ء ہے۔

فرہاد علی تیمور اور سونیا کا بیٹا کبریا فرہاد ۲۳ برس کا گبرو جوان ہوگیا ہے۔

پارس اور مرحومہ تمارا عرف لکی سیون کا بیٹا بابر علی فرہاد ۲۰ برس کا ایسا فولادی مجسمہ بن گیا ہے، جسے چھو کر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مگر اسے دیکھا نہیں جاسکتا۔ جن دنوں تمارا حاملہ ہوئی تھی ان دنوں وہ سایہ بنانے والی گولیوں کے اثر سے نادیدہ رہتی تھی۔ اسی حالت میں بابر علی فرہاد نے اس کی کوکھ سے جنم لیا تو گولیوں کے مسلسل استعمال کے باعث وہ بھی اس دنیا میں نادیدہ آیا۔ اس کی پیدائش کے پہلے دن سے کسی نے اسے نہیں دیکھا ہے۔

بابر علی فرہاد کی پرورش اس کی دادی آمنہ فرہاد نے کی ہے۔ فرہاد نے کہا تھا "آمنہ! پاکستان میری جائے پیدائش ہے۔ لیکن میری کسی اولاد اور کسی عزیز نے وہاں رہائش اختیار نہیں کی۔ جبکہ میرے خاندان کے کسی نہ کسی فرد کو وہاں رہنا چاہیے۔ کیونکہ میرے خون کے حوالے سے وہ ہم سب کا وطن ہے۔ میں چاہوں گا کہ میرا یہ پوتا پاکستان میں رہے۔"

آمنہ نے کہا۔" آپ کی باتوں سے وطن کی مٹی کی خوشبو آرہی ہے، کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ ہمارا پوتا شاہ کوٹ میں رہے؟"

" اب ہماری زمین شاہ کوٹ میں نہیں رہیں۔ ہمارا بابر کسی ایک جگہ نہیں، پورے پاکستان میں رہے گا۔ ہر صوبہ کے ہر بڑے شہر میں اس کی رہائش کے انتظامات ہوجائیں گے۔ کیا تم اس کے ساتھ پاکستان میں رہو گی؟"

"میں اپنے پوتے کے ساتھ صحراؤں اور بیابانوں میں بھی رہوں گی۔ پاکستان تو پھر بھی ایک خوبصورت ملک ہے۔"

اس فیصلہ کے مطابق آمنہ فرہاد بیس برس پہلے پاکستان آئی تو اپنے پوتے بابر علی فرہاد کے ساتھ سونیا کے بیٹے کبریا فرہاد کو بھی لے آئی۔ پھر ان بیس برسوں میں ان دونوں کی پرورش جیسے غیر معمولی طریقوں سے کی گئی ان کا ذکر زیرِ نظر داستان میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہے گا۔ یہ میرا عزم ہے کہ ہر ماہ ایک مکمل کہانی پیش کرتا رہوں گا۔ چونکہ مکمل کہانی کے چند خاص کردار ہر ماہ کی کہانی میں موجود رہا کریں گے، اس لئے یہ مختلف کہانیوں کے باوجود ایک داستان مسلسل بھی ہوگی۔

قارئین سے گذارش ہے کہ اس سیریز کو شروع کرنے سے پہلے خود کو ذہنی طور پر اکیسویں صدی کے ۲۰۲۰ء میں لے جائیں اور مستقل مزاجی سے یہ طے کرلیں کہ وہ ۲۰۱۶ء سے شروع ہونے والی داستان

پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اب تک گزرے ہوئے واقعات کی کہانیاں لکھی ہیں اس سیریز کی کہانیاں آنے والے دور کی کہانیاں ہیں۔ گویا میری پیش کی جانے والی کہانیاں ایک طرح سے پیش گوئیاں ہوں گی۔ میں نے پاکستان کا، پاکستانی قوم کا اور اسلام دشمنی کا جو مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے، ان مطالعات اور مشاہدات کی روشنی میں اکیسویں صدی کے پاکستانیوں کو اور ان کے بغل میں چھپے ہوئے خنجروں کو دیکھ رہا ہوں، اس کی ایک ایک تصویر پیش کر رہا ہوں۔ گزارش ہے کہ اس سیریز کی تمام کہانیوں کو مفروضہ نہ سمجھا جائے۔ میں چاہتا ہوں آپ اکیسویں صدی میں جھانک کر دیکھیں۔ آپ کو پاکستان تو نظر آئے گا لیکن اس کی روح بیچ دی گئی ہوگی۔ ایسے پاکستان میں جب آپ سانس لیں گے اور ایک غیرت مند پاکستانی کی حیثیت سے پچھتائیں گے کہ آپ نے پہلے ہی بیچنے والے ہاتھوں سے اپنے پاکستان کو کیوں نہ بچایا تو آپ کا وہ پچھتاوا اکیسویں صدی کا پچھتاوا نہیں ہوگا بلکہ میری پیش گوئی سے آپ توانا اور مستعد ہوکر ابھی وطن دشمن کو پہچان لیں گے۔ پھر وطن کی قیمت لگانے والوں کے ہاتھ کاٹنے میں آپ دیر نہیں کریں گے۔ بات صرف وطن اور قوم کی نہیں ہوگی۔ آئندہ عشق و محبت کا معیار کیا ہوگا؟ جرائم کے انداز کس طرح بدل جائیں گے؟ آبادی کم کرنے کے لئے کس طرح قتل کرنے کا لائسنس دیا جائے گا؟

بوڑھے اپنی عمر رفتہ کو آواز دینے کے لئے کس طرح جوانی کے نسخے تیار کریں گے؟ اور جوان کس طرح بوڑھے ماں باپ سے نجات

حاصل کریں گے؟ ایسی دلچسپ اور عبرتناک کہانیاں بڑے ہی رنگین و سنگین انداز میں پیش کرتا رہوں گا۔

میں زیر نظر ناول کے موضوع کی وضاحت ضروری سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نے یہ چند سطریں تحریر کی ہیں۔ آئندہ خط و کتابت کے ذریعے گفتگو ہوتی رہے گی۔

آپ کا اپنا

محی الدین نواب

محیؒ الدین نواب، کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔
نواب صاحب اب روایتی تعریف و توصیف کی حدوں سے کہیں آگے جا چکے ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب کی تحریریں سرسری طور پر نہیں پڑھی جاتیں بلکہ دل سے اور محسوس کرکے پڑھی جاتی ہیں۔ وہ "دیوتا" کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ نواب صاحب پاکستان کے وہ واحد مصنف ہیں جو گینیز بک آف دی ورلڈ ریکارڈ میں نام آجانے کے اہل ہوچکے ہیں۔ جنہیں دنیا کے طویل ترین فکشن ناول "دیوتا" کے نام سے لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ "دیوتا" گذشتہ تقریباً ۲۰ سال سے ماہنامہ "سسپنس ڈائجسٹ" میں ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو رہی ہے۔ نواب صاحب کے "دیوتا" کی کتابی شکل میں ۳۲ جلدیں اب تک شائع ہوچکی ہیں جبکہ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسکے علاوہ مختلف کہانیوں کے مجموعے جن میں "ایمان کا سفر، کچرا گھر، آبلہ بدن، اور ناول کی شکل میں، آدھا چہرہ، ادھورا ادھوری،" کے بے شمار ایڈیشن فروخت ہوچکے ہیں۔ اسکے علاوہ "شعلوں کی سیج" ابھی طباعت کے مرحلے میں ہے۔

زیر نظر ناول لفظوں کے جادوگر محیؒ الدین نواب کے برسوں کے تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے تمام کردار

دیوتا کے قارئین کیلئے جانے پہچانے ہیں۔ مگر ایسے قارئین جو دیوتا کی طوالت کے پیش نظر ان کرداروں سے ناآشنا ہیں، اس ناول سیریز میں وہ نئے قارئین ان سے دلچسپ انداز میں ملیں گے۔

یہ ناول سیریز نواب صاحب کے لاکھوں قارئین کی اس خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہوگی جو اپنے محبوب مصنف کو ون مین شو کے طور پر پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس ناول سیریز کے اختتام پر نواب صاحب کے مداح ایک ٹوکن برائے سوال پُر کرکے بذریعہ ڈاک نواب صاحب سے کوئی ایک دلچسپ سوال کرسکتے ہیں۔ جسکے جوابات نواب صاحب بقلم خود بذریعہ ناول ہر دوسرے شمارے میں دیا کریں گے۔

اب میں زیادہ دیر آپکے اور نواب صاحب کے درمیان حائل رہنا نہیں چاہتا۔ لیجئے اپنے محبوب مصنف کا توشۂ خاص حاضر ہے۔ آپکی قیمتی آراء اور خطوط کا انتظار رہے گا۔

یا میری آنکھ کے آنسو کو پتھر کردے
یا میرے ریت کے صحرا کو دریا کردے
اور میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتا اے خدا
میری چادر میرے پیروں کے برابر کردے

والسلام

خالد رشید

"شہر ظلمات"

۱۹۹۵ کے پاکستانی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پاکستان ایک نہایت خوبصورت اور ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہوجائے گا۔ یہاں اونچی اونچی پچیس اور تیس منزلہ عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ صرف سولہ برس کے عرصہ میں یہاں کے کئی شہر یورپ اور امریکہ کے شہروں کی طرح ماڈرن ہوچکے ہیں۔ کلبوں اور کیسینوں میں ہر رات لاکھوں روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے۔ شراب پانی کی طرح بہتی ہے اور حسن و شباب قدم قدم پر گلے پڑنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

پتہ نہیں کب قیامت آئے گی۔ اور کب فرشتہ صفات انسانوں کو جنت ملے گی۔ لیکن پاکستان کی سرزمین زندہ دلوں اور عیاشوں کے لئے جنت بن گئی ہے۔ اس ملک کے کسی کونے کھدرے میں شاید کہیں غربت ہوگی، ورنہ ہر جگہ خوش لباسی اور ہنستے مسکراتے چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ پوری قوم کو کچھ حاصل کرنے کے لئے اپنے قومی خزانے سے دولت خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اور اس کے ساتھ جدوجہد بھی کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اربوں ڈالرز کی یہ ترقی اور کھربوں ڈالرز یہ کی خوشحالی پاکستانی قوم کو بڑی آسانی سے صرف ایمان بیچ کر حاصل ہوئی ہے۔

یہ ایک شہر ویسٹ بے سٹی کی کہانی ہے۔ ویسٹ بے سٹی مکران کے ساحل پر پاکستان میں ہے۔ لیکن اس میں پاکستانی کم اور غیر ملکی زیادہ ہیں۔ ایک غیر ملکی کمپنی نے اس شہر کو آباد کرنے سے پہلے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اس شہر میں ایسے علمائے دین کا داخلہ ممنوع ہوگا۔ جو مسجدوں، گلیوں، اور چوراہوں پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ شراب خانوں، کمار خانوں اور نائٹ کلبوں کے خلاف جلوس نکالتے ہیں اور سمندروں کے ساحلوں پر مختصر ترین کپڑوں میں غسل کرنے والی حسیناؤں پر اعتراض کرتے ہیں۔

ویسٹ بے سٹی میں ایسے رہنماؤں کو اور صحافیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ جو امریکہ اور اسرائیل کے خلاف تقریریں کرتے اور اخبارات میں ان کے خلاف لکھتے رہتے تھے۔ ایسے دانشوروں کو بھی اس شہر میں بھی داخلے کا پاس نہیں ملتا تھا۔ جو مغربی تہذیب کی خرابیاں بیان کرتے اور ایمان پرور مشرقی تہذیب کی شرم و شرافت کا درس دیتے تھے۔ پاکستان کے تمام غریبوں کو اس شہر میں داخل ہونے اور رہائش اختیار کرنے کی اجازت تھی۔ تاکہ وہاں بڑے بڑے ہوٹلوں، کلبوں اور کاروباری مراکز کے لئے چھوٹے ملازمین کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ خصوصاً ان غریب لڑکیوں کے لئے وہاں لاکھوں روپے کمانے کے ہمیشہ مواقع میسر رہتے تھے جو حسین اور دلکش ہوتی تھیں۔ ایسے وقت جب کہ قوم کا ضمیر سو رہا تھا۔

پکستانی شرم و حیا کی دھجیاں اڑ رہیں تھیں اور ایمان کا دم گھٹ رہا تھا ۔ ایسے ہی وقت ایک تازہ ہوا کا جھونکا آیا ۔ ایک بوڑھے مولوی صاحب اپنی جوان بیٹی کے ساتھ گیٹ وے آف سٹی کے سامنے آئے

شر ویسٹ بے سٹی کے اطراف مسلح فوجیوں کا سخت پہرہ رہتا تھا ۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے ایک ہزار فٹ کی لمبائی تک آہنی سلاخوں والا گیٹ تھا اسے گیٹ وے آف سٹی کہتے تھے ۔ اس گیٹ کے اوپر دائیں بائیں ایک سو ٹی وی کیمرے اور آڈیو ریکارڈنگ کے لئے بے شمار مائیکرو فون نصب کیئے گئے تھے ان کے ذریعہ دور ایک عمارت میں بیٹھے ہوئے انٹلی جنس کے جاسوس اور بڑے افسران ٹی وی اسکرین پر نووارد افراد کو دیکھتے تھے ان کی باتیں سنتے تھے ان کے چہروں سے اور باتوں سے ان کے مزاج کو اور ان کے ارادوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے

انہیں ٹی وی اسکرین پر دیکھ کر ایک افسر نے سخت لہجے میں کہا ۔ " اے مولوی ! یہاں کیا لینے آیا ہے ؟ "

مولوی صاحب نے کہا ۔ " میرا نام اے مولوی نہیں ، عبد الحق ہے ۔ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ اتنے بڑے شہر میں صرف ایک مندر ہندؤں کے لئے ایک سیناگوج یہودیوں کے لئے ، ایک چرچ عیسائیوں کے لئے اور ایک مسجد مسلمانوں کے لئے ہے ۔

لیکن مسجد میں کوئی پیش امام چند روز یا ہفتوں سے زیادہ نہیں رہتا۔ یہاں کی انتظامیہ مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت کرتی رہتی ہے۔

افسر نے کہا۔" تمہارے جیسے مولویوں کے لئے ہماری مداخلت بے جا ہے۔ لیکن ہم اپنے علاقے میں اسلامی انتہا پسندی نہیں چاہتے۔ جب سے ایک پیش امام گیا ہے۔ وہ مسجد بند پڑی ہوئی ہے۔ کیا تم اس کا دروازہ کھولنے آئے ہو؟"

"ہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے آیا ہوں۔ انشاء اللہ مسجد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھوں گا۔"

"تم سے پہلے یہاں کتنے ہی آئے اور لاحول پڑھتے ہوئے چلے گئے۔"

جہاں کفار کا اندھیرا ہو، وہاں ایمان کا چراغ جلانا پہلا دینی فرض ہے۔ مجھے ہے حکم اذاں لا الہ اللہ اور میں اس شہر میں پانچوں وقت اذانیں سناتا رہوں گا۔"

" تمہیں اپنی حسرت پوری کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس شہر میں رہنے کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن یہ جو تمہارے ساتھ چادر اوڑھے کھڑی ہے۔ اسے اجازت نہیں ملے گی۔ اس شہر میں کوئی عورت کسی سے پردہ نہیں کرتی ہے۔"

لڑکی نے مولوی عبدالحق کی طرف دیکھا اور کہا۔" ابا! میں نے پہلے ہی

کہا تھا یہاں برقع اور چادر نہیں چلے گی۔ مجھے چادر اتارنے دے۔ میں نے پورا لباس پہنا ہے۔ یہ لباس حیا کا ضامن ہے۔ اس شہر میں اذان دینے کے لئے اس حد تک سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے ایمان اور شرم پر کوئی حرف نہ آئے۔ چادر اتارنے کے بعد بھی میری آنکھوں میں حیا رہے گی۔"

مولانا عبدالحق نے بے بسی سے بیٹی کو دیکھا۔ پھر منہ پھیر کر کہا۔" ٹھیک ہے بیٹی! اللہ کا نام لے کر چادر اتار دے۔"

اس نے کہا۔"میرے رب! میرے مالک! میرے محافظ! میں تیرے بھروسے پر بے پردہ ہو رہی ہوں۔ میری عزت، میری شرم تیرے ہاتھ ہے۔"

اس نے چادر اتار دی۔ اس عمارت کے بڑے ہال کے کئی بڑے ٹی وی اسکرین پر دیکھنے والے سب ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ انہیں ایسا لگا، جیسے چادر نہیں، بدلی ہٹ گئی۔ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آنکھوں میں اتر آیا ہے۔ اس کا لباس اور سادہ سا سنگھار کہہ رہا تھا، کہ وہ پنجاب کے کسی حصے سے آئی ہے۔ اس کا بدن ایسا صحت مند تھا کہ دیکھنے والی آنکھوں کو صحت مند بنا رہا تھا۔ جو بوڑھے تھے انہیں بھی جوان کر رہا تھا۔ ایک افسر نے پوچھا۔" تمہارا نام؟"

"میں بتا چکا ہوں۔ عبدالحق۔"

"ہم تم سے نہیں تمہاری بیٹی سے پوچھ رہے ہیں۔"

"میرا نام مہرالنساء رُت میراں ہے۔"

اس ہال میں بیٹھے ہوئے عین افسر اپنی جگہ سے اٹھ کر عمارت کے دوسرے حصوں میں اپنے اپنے دفتر میں آئے ایک نے سامنے میز پر رکھے ہوئے ٹی وی اور کمپیوٹر کے بٹن دبائے۔ دونوں آن ہو گئے۔ کمپیوٹر کے اسکرین پر تحریر ابھری اور آواز بھی آئی۔ "نمبر پلیز؟"

وہ بولا۔ "اس شہر کے میئر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

رابطہ ہو گیا۔ ٹی وی اسکرین پر میئر کا سکیرٹری نظر آیا۔ وہ اپنے اسکرین پر افسر کو دیکھ کر بولا۔

ہیلو آفیسر! صاحب سے بات کروگے؟"

ہاں۔ فوراً رابطہ کراؤ۔"

سیکریٹری نے اپنے کمپیوٹر کے بٹن دبائے۔ افسر کو اسکرین پر میئر نظر آیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا نکٹائی باندھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔"

ویل آفیسر! کوئی خاص بات ہے۔" جی ہاں! آپ سٹی چینل نمبر ون پر دیکھیں۔ ایسی حسین دوشیزہ شاید اس سے پہلے آپ نے نہیں دیکھی ہو گی"

وہ آئینے کے پاس سے پلٹ کر ایک بڑے ٹی وی کی طرف جاتے ہوئے بولا۔" میں اس دنیا میں آدھی صدی گذار چکا ہوں۔

ایسی ایسی حسیناؤں کو دیکھا ہے کہ اب دیکھنے کی ہوس نہیں رہی ۔"

اس نے ٹی وی کو آن کیا پھر چینل ون میں دیکھا تو میراں کے حسن سراپا کو دیکھ کر چپ سی لگ گئی وہ گیٹ وے آف سٹی کے سامنے ایک بوڑھے مولوی کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی ۔ وہ گیٹ وے کے افسر سے بولا ۔ " وہاں وزیٹرز کے لئے ایئر کنڈیشنڈ ویٹنگ روم ہے ۔اس حسینہ کو عزت سے بٹھاؤ ۔"

پھر اس نے دوسرا بٹن دبا کر ایک افسر سے پوچھا ۔ حسینہ کا نام کیا ہے " مہرالنساء عرف میراں ، بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے ۔ انگریزی فر فر بولتی ہے ۔"

" ہوں ، میراں کو اے کیٹگری میں رکھا جا سکتا ہے ۔ اس کے حسن کا جادو بیرونی سرمایہ کاروں کے سر چڑھ کر بولے گا ۔ وہ یہاں اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگائیں گے ۔"

یس سر ! لیکن پھول کے ساتھ کانٹا بھی ہے ۔ اس مولوی کا کیا کیا جائے ؟

فی الحال اسے برداشت کرنا ہوگا ۔ یہاں تمام مذاہب کے پیشواؤں کو رہائش کے لئے ایک سو بیس گز کا کوارٹر دیا جاتا ہے ۔ لیکن اس مولوی کو چھ ہزار گز کا آراستہ بنگلہ دو ۔ اس بنگلے کی دیکھ بھال کے لئے ایک ایسی گورنس رکھو جو مولوی کی لاعلمی میں میراں کو کھرب پتی سرمایہ داروں کے قلب تک پرواز کرنا سکھا دے ۔"

اس نے یہ حکم دے کر رابطہ ختم کر دیا۔ پھر دوسرے کمپیوٹر فون سے ٹی وی پر انفارم کرنے والے افسر نے کہا۔ "تھینک یو تم نے ایسا ہیرا دکھایا ہے، جو ہمارے شہر میں امریکی ڈالرز، برطانوی پونڈز ریال، ویپار، اور جاپانی ین کا ذخیرہ لگا دے گا۔ تمہیں ترقی دی جائے گی۔"

اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ دوسرے افسر نے اپنے دفتر میں بیٹھ کر فوج کے افسر سے کہا تھا کہ وہ سٹی چینل نمبر ون میں ایک نظارہ دیکھے فوج کے افسر نے بھی میراں کو دیکھ کر کہا۔ "کاش میں بوڑھا نہ ہوتا۔ فوج سے ریٹائر ہونے سے پہلے جوانی سے ریٹائر ہو چکا ہوں۔"

افسر نے کہا۔ "میرے جاسوس خفیہ طور پر میراں کی تصاویر اتار رہے ہیں۔ کیا تصویر بھیج دوں؟"

"ہاں روس اور چین سے ایک اہم معاہدہ کرنا ہے۔ یہ حسینہ اس سلسلے میں بہت کام آئے گی۔"

"میں تصاویر بھیج دوں گا۔ لیکن میئر صاحب بھی اس حسینہ کو دیکھ چکے ہوں گے۔"

"میں میئر سے نمٹ لوں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ تیسرے افسر نے اپنے دفتر میں بیٹھ کر ماسٹر اورے گا سے رابطہ کیا۔ اورے گا بدنام زمانہ قاتل اور اسمگلر تھا۔ اپنے ایک گمنام باس کے لئے کام کرتا تھا۔ اس کا باس کوئی سیاسی مجرم تھا۔ ویسٹ بے سٹی سے دلچسپی رکھنے والے کئی ممالک کے سربراہوں سے مجرمانہ

سیاسی معاملات طے کرتا تھا۔اور معاملات طے کرنے کے لئے حسین ترین لڑکیاں لازمی ہوتی تھیں۔ ماسٹر اورے گا نے سٹی چینل نمبرون میں میراں کو دیکھ کر کہا۔

" مجھے حسین عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔لیکن میرا باس اسے دیکھے گا تو خوشی کے مارے بے ہوش ہوجائے گا۔ میں اس لڑکی کو ڈن کرتا ہوں۔ تمہارے حصے کی رقم تمہیں مل جائے گی۔

"لیکن ماسٹر! مال اٹھانے میں دیر نہ کرنا۔ میئر اور فوجی افسران وغیرہ اسے دیکھ چکے ہوں گے اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق منصوبے بنا رہے ہونگے۔"

"وہ سب منصوبے بناتے رہیں گے۔ میں اس حسینہ کو غائب کردوں گا۔"

میراں اپنے والد کے ساتھ ابھی ائیرکنڈیشنڈ ویٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ابھی اس نے گیٹ وے آف سٹی کے آہنی گیٹ کو پار کر کے اس شہر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ اس سے پہلے ہی اس شہر کے اکابرین اور شیاطین چھیننے اور جھپٹنے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ انتظار کے دوران باپ بیٹی کے

سامنے کھانے کی بڑی ٹرالی لائی گئی۔ ان سے کہا گیا کہ ان دونوں کے لئے شہر میں رہائش اختیار کرنے کے کاغذات اور کارڈ تیار کئے جارہے ہیں، جب تک وہ دوپہر کا کھانا کھالیں۔ مولانا عبدالحق نے کہا۔" آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ لیکن ہمیں بھوک نہیں ہے۔ ہم نے سفر کے دوران ایک گھنٹہ پہلے ہی پیٹ بھر کر کھایا تھا ہمیں پیاس بھی نہیں ہے۔"

لیکن میراں نے جوس کا ایک گلاس پیا۔ پھر کھانے کی ٹرالی واپس کردی۔ عبدالحق نے کہا۔" میراں! میں نے سمجھایا تھا کہ ان کے کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ نہ لگانہ۔ پھر تم نے جوس کیوں پی لیا؟"

" ابا! آپ کا اعتراض یہ ہے کہ اس شہر کے تمام ہوٹلوں میں سوّر کا حرام گوشت پکایا جاتا ہے یہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مرغوب غذا ہے۔ لیکن جس پھل کا جوس میں نے پیا ہے۔ وہ پھل حرام نہیں ہے۔

" جو حرام پکاتے ہیں۔ ان کے برتن اور گلاس بھی ناپاک ہوتے ہیں۔"

" یہ اکیسویں صدی ہے۔ برتن خودکار مشینوں کے گرم اور جراثیم کش پانی سے دھوئے جاتے ہیں۔ ابا! تو ایک ایک بات پر اعتراض کرے گا تو اس شہر میں نہیں رہ سکے گا۔ تجھے بہت سے معاملات میں سمجھوتہ کرنا ہوگا۔ کیا تو ٹی وی پر یہاں کلام پاک کی تلاوت نہیں سنے گا؟

" ضرور سنوں گا۔"

اس ٹی وی اسکرین پر سیٹلائٹ کے ذریعہ حیا سوز پروگرام دکھائے جاتے ہیں ہیں۔ کیا اسکرین ناپاک ہوجاتا ہے۔ کیا تو دینی پروگرام نہیں دیکھا کرے گا؟"

مولانا عبدالحق نے سر جھکا لیا۔ بڑی مشکل تھی۔ وہ اکیسوی صدی میں ایمان کے تقاضے پورے کررہا تھا لیکن پاکیزگی کے تقاضے پورے نہیں ہورہے تھے۔ وہاں رہائش اختیار کرنے کے سلسلے میں ضروری کاغذات اور دو کارڈز کی صورت میں اجازت نامہ مل گیا۔ جب میراں نے باپ کے ساتھ اس آہنی گیٹ کو پار کرتے ہوئے شہر میں پہلا قدم رکھا تو اس کے ذہن کے ایک گوشے میں یہ بات تھی کہ وہ دلدل میں قدم رکھ چکی ہے۔ ان کے لئے ایک خوبصورت کار چند قدم پر کھڑی ہوئی تھی۔ ایک باوردی ڈرائیور نے ان کے لئے کار کا پچھلا دروازہ کھولا ایک افسر نے کہا " مولوی صاحب! یہ کار آپ کی سواری کے لئے ہے۔"

مولانا نے بیٹی کو تعجب سے دیکھا۔ پھر افسر سے کہا " یہاں واپس جانے والے پیش امام نے مجھے بتایا تھا کہ مذہبی پیشوائوں کو گدھا گاڑی بھی سواریوں کے لئے نہیں ملتی۔ وہ اس شہر میں بڑی تنگی ترشی سے گذارا کرتے ہیں۔"

افسر نے کہا۔" اب مذہبی پیشوائوں کو سہولتیں دی جارہی ہیں ان کے آرام و آسائش کا پوری طرح خیال رکھا جارہا ہے۔"

میراں نے کہا۔" ابا! اگر یہ مذہبی معاملات میں اس طرح اپنی

ذمہ داراریاں پوری کررہے ہیں تو ہمیں اعتراض نہیں کرناچاہئیے۔ہمیں اس کار میں جاناچاہئیے۔وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کار چل پڑی۔سامنے کار میں اسٹیئرنگ، گیئر، کلچ اور بریک، وغیرہ نہیں تھے۔ ان چیزوں کے بغیر کار چلائی نہیں جاسکتی مگر وہ ایک کمپیوٹر کے زریعے چل رہی تھی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے کمپیوٹر کو یہ گائیڈ نیس فیڈ کر دی تھی کہ کن راستوں سے گزرتے ہوئے کس منزل پر پہنچنا ہے ایسے راستوں پر جہاں موڑ آتے تھے وہاں فاضلے اور موڑ کے مطابق کمپیوٹر کو اشارے ملتے تھے اور کار ادھر سے مڑتی ہوئی دوسرے راستے پر چلی آتی تھی فلائی اوور برج کے باعث کسی چوراہے پر کوئی گاڑی نہیں رکتی تھی۔ان کی کار چھ ہزار گز کے بنگلے کے احاطے میں پہنچی۔ اور پورچ میں آکر رک گئی۔ مولانا عبد الحق نے پوچھا" ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"یہ آپ کی رہائش گاہ ہے۔"

"ہماری؟" عبد الحق نے شدید حیرانی سے کہا۔ پھر بیٹی کو دیکھا۔ وہ برآمدے میں جاکر کہہ رہی تھی"۔ہائے ،کتنا خوبصورت بنگلہ ہے۔ مجھے تو لگتا ہے ،خواب دیکھ رہی ہوں۔"

افسر نے دروازہ کھولا۔ وہ باپ بیٹی اندر آئے۔ ڈرائینگ روم قیمتی سامان سے آراستہ تھا۔ عبدالحق نے کہا" برادر! ہم چٹائی پر نماز پڑھتے ہیں۔چٹائی پر تینوں وقت کھاتے ہیں اور چٹائی پر سوتے ہیں۔ میں اس

بنگلے میں نہیں رہوں گا۔"

افسر نے کہا۔" کوئی بات نہیں ۔ بنگلے کے ساتھ اینکسی ہے۔ وہاں ایک کمرے میں چٹائیاں بچھادی جائیں گی۔ آپ وہاں رہا کریں۔ لیکن جوان بیٹی کو اس بنگلے میں رہنے دیں"۔

" ابا! تجھے بھی اس بنگلے میں رہنا چاہیئے۔ اگر تیرا دل گوارہ نہیں کرتا ہے تو سامنے اینکسی میں رہ سکتا ہے۔ ہم باپ بیٹی نظروں کے سامنے رہیں گے۔"

ایک جوان عورت سامنے اینکسی سے نکل کر ان کے قریب آئی۔ افسر نے تعارف کرایا۔" یہ میڈم میلی موس ہیں۔ اور میڈم یہ مس میراں اور ان کے فادر مسٹر عبد الحق ہیں۔"

میڈم میلی نے میراں سے مصافحہ کیا۔ مسکرا کر خوشی کا اظہار کیا پھر مصافحے کے لئے عبد الحق کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مولانا نے اسے منی اسکرٹ اور بغیر آستین کے بلاؤز میں دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔ میراں نے کہا۔" میڈم ؟میرے فادر کا مزاج ذرا مختلف ہے۔ آپ مائنڈ نہ کریں

"کوئی بات نہیں ،از آل رائٹ۔"

افسر نے کہا۔" مس میراں یہ میڈم تمہارے اس بنگلے کی اور منتظمہ ہیں۔ تمہاری گائیڈ بھی بن کر رہیں گی۔ تمہیں اس شہر کی سیر کرائیں گی۔ اور تمام ضروری معلومات فراہم کرتی رہیں گی۔"

انہوں نے بنگلے کے اندر گھوم کر وہاں کے قیمتی سامان اور آرائش کو

دیکھا۔ افسر واپس چلا گیا۔ میڈم میلی باورچی کو ہدایت دینے کے لئے کچن میں گئی تو عبد الحق نے کہا۔" میراں! اس میڈم کا نام میلی موس ہے۔ حضرت موسیٰ کے نام کا مخفف ہے۔ اس کا مطلب ہے، یہ میڈم یہودی ہے۔ "ابا! تو اس شہر میں ایمان کو زندہ رکھنے آیا ہے یہاں تجھے قدم قدم پر ہندو، عیسائی اور یہودی ملیں گے۔ وہ ہم سے بڑے بھی ہوں گے اور ہم سے چھوٹے ہمارے ملازم بھی ہوں گے جیسی کہ یہ میڈم یہودی ہے مگر ہماری خدمتگار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر اسے کچن میں جانے سے منع کرو۔ ورنہ یہ ہماری لاعلمی میں ہمیں حرام کھلادے گی۔"

"میں کچن کا کام سنبھال لوں گی۔ تو اطمینان سے چائے پی کر مسجد جا آج یہاں عصر کی اذان کو گونجنا چاہئیے۔

وہ چائے پینے سے انکار کرکے بنگلے سے باہر آیا۔ برآمدے میں ایک شخص نے اسے سلام کرتے ہوئے کہا۔" مولوی صاحب!" میں مسلمان ہوں۔ انیکسی کے ایک کمرے میں چٹائی بچھادی ہے۔ میں آپ کا ملازم اور گائیڈ ہوں۔ میرے لئے اور کوئی خدمت؟"

"یہاں سے مسجد کتنی دور ہے؟ مجھے وہاں لے چلو۔" "آئیے کار میں تشریف رکھیئے۔"

"کیا میں کار میں بیٹھ کر مسجد جاؤں گا؟ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے کے لئے مسجد تک پیدل جانا چاہئیے۔

"یہاں سے مسجد بیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ آپ پیدل جائیں گے تو کبھی نماز کے وقت مسجد تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبکہ روز ہی پانچوں وقت گھر سے مسجد جانا ہوگا"

"مجھے مسجد سے بیس کلو میٹر دور یہ بنگلہ کیوں دیا گیا ہے؟ میں مسجد کے حجرے میں رہوں گا"

"آپ وہاں بھی رہ سکتے ہیں لیکن ایک چھوٹے سے حجرے میں آپ کی صاحب زادی نہیں رہ سکے گی۔"

مولانا جھنجلا کر کار کی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئے۔ وہ گائیڈ اگلی سیٹ پر آکر کمپیوٹر کو راستوں اور منزل تک کا روٹ فیڈ کرنے لگا۔ کار چلنے لگی اس نے کہا" مولوی صاحب! میں آپ کا خادم ہوں میرا نام سردار ہے۔ کیا آپ عصر کی نماز کے بعد واپس بنگلے میں جانا چاہیں گے یا مغرب اور عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد جائیں گے۔"

"آج تو عشاء کے بعد ہی بنگلے میں جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ مسجد کے قریب رہنے کا کیا بندوبست ہوتا ہے"

سردار اسے مسجد کے سامنے چھوڑ کر۔ کار واپس لے گیا۔ وہ درود شریف پڑھتا ہوا مسجد کی سیڑھی پر آیا۔ وہاں چند نمازی تھے۔ ان سب نے مولانا عبدالحق کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اس نے پوچھا" آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں کا نیا پیش امام ہوں۔؟"

ایک نمازی نے کہا۔"ہم نے تھوڑی دیر پہلے مسجد کے ٹی وی اسکرین پر آپ کی تصویر دیکھی تھی۔اور یہ خبر سنی تھی کے آپ یہاں ۔۔۔۔"

مولانا نے بات کاٹ کر پوچھا "کیا مسجد میں ٹی.وی ہے ؟" "جی ہاں اس ٹی وی کے زریعے آپ کا رابطہ شہر کے منتظم اعلیٰ سے رہے گا"۔

"جہنم میں گیا رابطہ۔ مسجد میں ٹی وی کے زریعے تصویر آتی ہیں. آج تصاویر دکھائی جاتی ہیں کل بت رکھے جائیں گے میں اس ٹی وی کو مسجد سے دور لے جا کر پھینک دوں گا"۔وہ تیزی سے چلتا ہوا مسجد کے اندرونی حصے میں آیا ۔ وہاں میز کے پاس ایک کمپیوٹر اور ٹی وی رکھا ہوا تھا ۔ وہ ٹی وی آن تھا۔ اسکرین پر ایک عورت کہہ رہی تھی " مولانا عبد الحق متوجہ ہوں ۔ ابھی ایک گمنام مجرم نے دعوی کیا ہے کہ اس نے تمہاری بیٹی میراں کو بنگلے سے اغوا کیا ہے ۔ یہاں کے جاسوس اور پولیس والے میراں کو اور مجرم کو تلاش کر رہے ہیں ۔ تم عبادت میں اطمینان سے مصروف رہو۔"

مولانا عبد الحق کے ذہن کو.جھٹکا سا لگا ۔ جوان بیٹی کو اغوا کیا گیا تھا۔ یہ ایسی بات تھی کہ غیرت مند باپ تڑپ جاتے ہیں ۔ پاگلوں کی طرح بیٹی کو تلاش کرنے نکل جاتے ہیں ۔ لیکن ایمان والے کے دماغ میں یہ بات ہتوڑے کی طرح لگ رہی تھی کہ مسجد میں تصاویر نشر کی جاتی ہیں۔ اس نے سوئچ کو آف کیا ٹی وی کو وہاں سے اٹھایا پھر دوڑتا ہوا مسجد کی سیڑھیوں پر آکر اسے باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ مسجد کی

سیڑھی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سوچنے لگا۔ "یہ کیوں؟
اس انجانے شہر میں بیٹی کو کہاں تلاش کروں؟ عصر کی اذان کا وقت ہو
چکا تھا۔ عبادت لازمی ہے اور بیٹی کی تلاش بھی ضروری ہے۔" ایک
نمازی نے کہا۔" مولوی صاحب !آپ صبر کریں۔کیا میں اذان دوں؟
اس نے اس نمازی کو دیکھا اور کہا" نہیں میں پہلی بار اس مسجد میں آیا
ہوں۔میں اذان دوں گا"

وہ ایک نمازی کے ساتھ مائیکروفون کے پاس آیا۔ پھر اذان دینے لگا۔
وہ بیٹی کے لئے نہیں رو رہا تھا جتنے آنسو تھے۔ وہ دل میں جمع ہو گئے
تھے۔ اور اذان کی درد بھری آواز سے فضا میں پھیل رہے تھے۔ وہ
اذان کے بعد پیش امام کی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا" یا
رب العالمین !میری بچی کی عزت بچالے۔ میں نماز پڑھانے والا ہوں
میرا دل ڈوب رہا ہے۔ اگر نماز کے دوران بیٹی حواس پر چھائے رہے
گی تو یہ عبادت نہیں ہو گی منافقت ہوگی۔ میرے معبود میرا دل پتھر
کردے۔ میں باپ بیٹی کے رشتے کو بھول کر تجھے اور صرف تجھے سجدہ
کرنا چاہتا ہوں"

اچانک اس کے دماغ میں اجنبی سی آواز گونجنے لگی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی
" جس طرح ایک چراغ آندھیوں میں جلتا ہے۔ اسی طرح مصائب
اور صدمات کی آندھیوں میں نماز پڑھنے اور پڑھانے والا مومن کہلاتا
ہے۔ چل اٹھ نماز کا وقت ہو چلا ہے۔"

مولانا کو یوں لگا جیسے اس کے اندر امید اور اعتماد کی نئی روح پھونک دی گئی ہے۔ اس نے اٹھ کر نمازیوں سے صفیں درست کرنے کو کہا پھر روح کی گہرائیوں میں ڈوب کر نماز پڑھانے لگا۔

ایسے وقت میراں اپنے بنگلے کے بیڈروم میں میلی موس سے باتیں کررہی تھی "ہائے یہ بیڈروم ایسی مہارت سے آراستہ کیا گیا ہے کہ یہاں بستر پر لیٹتے ہی کسی آئیڈیل کے خواب آنے لگیں گے"

میڈم نے کہا"اس مقصد کے لئے اسے اس طرح آراستہ کیا گیا ہے یہاں صرف خواب نہیں دیکھو گی۔

جس کے خواب دیکھو گی وہ بھی حاضر ہو جائے گا"

"ایسی بے شرمی کی باتیں نہ کرو"

"کسی سے محبت کرنا بے شرمی نہیں ہے۔"

"محبت کی حد تک ٹھیک ہے۔"

"لیکن محبت خواب میں آکر مکمل ہوتی ہے۔"

اسے محبت نہیں ہوس کہتے ہیں اور یہ تم نے دیوار پر کیسی تصویر لگوائی ہے۔

توبہ کیسی بے حیائی ہے۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر منہ ادھر پھیر لیا۔ میڈم نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا "تم تو ذرا ذرا سی بات پر شرما جاتی ہو۔ یہ اکیسویں صدی ہے اور تم ایسے ماڈرن شہر میں ہو کہ یہاں کوئی بھی کسی پر انگلی نہیں اٹھاتا شرمانے والی لڑکیوں کو پسماندہ ذہنیت کی حامل سمجھا جاتا ہے۔ تم بھی شرماؤ گی تو قدم قدم پر تمہارا مذاق اڑایا جائے گا"

"میں صرف شرمانے والی بات پر شرماتی ہوں۔ ورنہ لاہور یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ہے میں ابا کے اطمینان کے لئے گھر سے برقع میں نکلتی تھی۔ اور یونیورسٹی پہنچ کر برقع اتار دیتی تھی"

"تمہارے فادر بہت بیک ورڈ ہیں۔ انہیں اسی طرح دھوکہ دینا چاہئیے۔"

"نہیں بزرگوں کو دھوکہ نہیں دیناچاہیے۔ میں اس اعتماد سے یونیورسٹی میں برقع اتار دیتی تھی کہ اپنے خاندانی عزت اور شرافت پر حرف نہیں آنے دوں گی اور میں نے کبھی کسی کو اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ کوئی مجھے چھو سکے۔"

پلنگ کے سرہانے والی میز پر کمپیوٹر فون سگنل دے رہا تھا۔ میڈم نے اسے آن کیا۔ ٹی وی اسکرین پر ایک عورت کہنے لگی۔"مس میراں کے لئے اس کے فادر کا پیغام ہے۔ مسٹر عبد الحق مسجد کے سلسلے میں بہت مصروف ہیں۔ انہوں نے پیغام دیا ہے کہ وہ ایک ہفتہ تک

مس میراں کے پاس بنگلے میں نہیں آئیں گے لہٰذا مس میراں ان کے لئے فکر مند نہ رہیں۔" میڈم میلی موس نے کہا۔" فکر کیسی میں جو میراں کے پاس ہوں ۔ انہیں اپنے مذہبی معاملات میں مصروف رہنا چاہیئے ۔ کیوں میراں؟"

میراں نے کہا" بے شک ابا سے کہہ دیں وہ بھی میری فکر نہ کریں۔ میں میڈم کے ساتھ اچھا وقت گزارتی رہو گی۔"

کمپیوٹر فون بند ہوگیا۔ میڈم نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا " اب مزہ آئے گا۔ تم ایک ہفتہ تک آزاد رہو گی ۔ میں تمہیں پورے شہر کی سیر کراؤں گی ۔ اور ایسے کلبوں میں لے جاؤں گی کہ تم وہاں حیران بھی ہوتی رہو گی اور خوشی سے ناچتی گاتی بھی رہوگی۔" میراں نے بستر سے اٹھ کر کہا" میں ابھی چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ اٹیچی سے ایک لباس نکال کر باتھ روم میں چلی گئی ۔ میڈم نے کمپیوٹر فون کا بٹن دبایا اس کی مرضی کے مطابق انٹیلیجنس کے چیف سے رابطہ ہوا۔ وہ بولی۔" میں ابھی میراں کے ساتھ بنگلے سے باہر جارہی ہوں۔ اسے سارے شہر کی سیر کراتی رہوں گی۔ پھر رات کو کھرب پتی سرمایہ داروں کے کلب میں لے جاؤں گی۔ مجھے یقین ہے، وہ آدھی رات تک وہاں کی رنگینیوں میں ڈوبی رہے گی۔"

"کیا وہ باپ کی طرح فرسودہ تہذیب کی حامل ہے؟"

"نہیں شوقین مزاج ہے۔ بڑے اونچے خواب دیکھتی ہے۔"

لیکن صنف مخالف کے سلسلے میں گفتگو کرنے کو بے حیائی سمجھتی ہے۔ اس کے اندر جذبات کو بھڑکانا ہوگا"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے"۔ تم اسے تفریح کے لئے لے جاؤ۔ اس کے بعد میں سمجھتا ہوں کے مجھے کیا کرنا چاہئیے" اس نے کمپیوٹر فون بند کردیا۔

مغرب کی اذان کا وقت ہو رہا تھا۔ مولانا عبد الحق مسجد کے صحن میں پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اغوا کی جانے والی بیٹی کے لئے کیا کرے ؟ وہ اس شہر کے راستے نہیں جانتا تھا ڈرائیور عشاء کی نماز کے بعد کار لے کر آنے والا تھا۔ لیکن وہ بنگلے میں جا کر کیا کرتا۔ بیٹی تو بنگلے میں نہیں تھی ۔ عبادت گاہوں سے متعلقہ دفتر کہاں ہیں ۔ اسے معلوم نہیں تھا ۔ وہ سوچ رہا تھا۔ رات دس بجے کے بعد کسی نمازی کے ساتھ اس دفتر میں جاکر بیٹی کی بازیابی کے بارے میں معلومات کرے گا۔ ایسے وقت اس نے پھر اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو سنا ۔ جیسے کوئی کہہ رہا تھا ۔ تمہارا فرض نماز پڑھنا اور پڑھانا ہے۔ چلو اٹھو اور اذان دو۔ تمہاری بیٹی تمہیں ضرور ملے گی ۔ اور عزت و آبرو کے ساتھ ملے گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اذان دینے کے لئے مائیک کے پاس جاتے ہوئے سوچنے لگا۔" خدایا۔ یہ کیسی آواز ہے ؟ اس آواز نے عصر کی نماز میں حوصلہ دیا تھا۔ اب مغرب کی نماز میں حوصلہ دے رہی ہے۔

کیا یہ آواز تیری طرف سے ہے؟۔"

"اس دنیا کی ہر بات، ہر چیز، ہر آغاز، اور ہر انجام اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ اس رب العالمین پر بھروسہ کرو اور اپنے فرائض ادا کرتے رہو۔ عبد الحق کے اندر جو اجنبی آواز تھی اسے اچانک چھینک آگئی۔ وہ دماغ سے نکلنے سے پہلے ہی بے اختیار چھینکنے لگا تھا۔

وہ ایک ساحلی ریستوران میں بیٹھا ہوا چھینک رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "چھوٹے! یہ کیا حرکت ہے؟ میں مولانا صاحب کو حوصلہ دے رہا تھا۔ تو میری ناک میں بتی کر رہا تھا۔ مجھے چھینکنے پر مجبور کر رہا ہے"

آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے کہ وہ کس سے باتیں کر رہا ہے۔ جس سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک بڑی میز کے اطراف ایک فیملی کے بہت سے ممبرز بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک میاں بیوی چھینکنے والے کے پاس آئے۔ مرد نے پوچھا" تمہیں اتنی چھینکیں کیوں آرہی ہیں۔ اور یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔ "میں اپنے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اس میز پر کیوں آیا۔ یہاں بیٹھنے سے چھینکیں آتی ہیں۔ فوراً واپس جاؤ ورنہ ......"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس عورت نے اپنے نتھنوں میں محسوس کیا جیسے کوئی کپڑے کی بتی کر رہا ہو۔ وہ زور سے چھینک پڑی اس کے شوہر نے ہنستے ہوئے کہا" اوہو ڈارلنگ تم تو واقعی چھینک رہی ہو۔ یہ کہنے کے بعد وہ خود چھینکنے لگا۔ دوسری میز پر بیٹھے ہوئے فیملی ممبران حیرانی سے اٹھ کر ان کے قریب آئے۔ ایک نے کہا" ممی، ڈیڈی آپ دونوں یہاں آتے ہی چھینکنے لگے؟"

یہ پوچھنے کے بعد وہ خود بھی چھینکنے لگا۔

اس کے ساتھ کھڑی ہوئی لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ بھی چھینکنے

لگی۔ ایک شخص نے کہا" ایسا لگتا ہے کوئی کپڑے کی بتی ناک میں کر رہا ہے نتھنے میں سرسراہٹ سے ہوتی تھی اور پھر چھینک آجاتی تھی۔ اس میز کے قریب جو بھی آتا تھا۔ وہ چھینکنے لگتا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں کتنے ہی لوگ وہاں ادھر سے ادھر جھٹکے کھا کر چھینکنے لگے۔ وہ چھینکنے والا پہلا جوان اس بھیڑ میں سے چپ چاپ نکل کر اس ریستوران سے دور چلا آیا۔ پھر اس نے کہا" چھوٹے!"

"بول بڑے!"

وہ دائیں طرف منہ کر کے بولا" چھوٹے ابھی تو میرے بائیں طرف تھا۔ اب دائیں طرف سے بول رہا ہے۔ پیچھے سے آواز آئی" اب میں پیچھے سے بول رہا ہوں۔ پھر آگے آکر بولا۔ آہ! میراں! کیا چیز ہے" میں اس کے بھی چاروں طرف گھومتا رہا اور اس کے انگ انگ کو جی بھر کر دیکھتا رہا۔"

"تو کہتا ہے کسی لڑکی کو چھپ کر نہیں دیکھتا پھر میراں کو کیوں دیکھ رہا تھا۔"

"اس لئے کہ وہ پورے لباس میں ہے۔ ابھی میڈم کے ساتھ کار میں گھوم رہی ہے۔ اور یہ شہر دیکھ رہی ہے میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ کر آؤں۔ مگر بڑے بھائی! نے بلالیا۔" بلانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تو میری خیال خوانی کے دوران مجھے چھینکنے پر مجبور کر دے مولانا صاحب سمجھ گئے ہوں گے کہ کوئی ان کے اندر خیال خوانی کے

کے ذریعے بول رہا تھا۔"

"کیا تو نے میرے ہونے والے سسر کو یقین دلایا ہے کہ ان کی صاحبزادی خیریت سے ہے؟ اپنے ہونے والا سسر کہہ رہا ہے اور ابھی پتہ نہیں کہ میراں تجھے گھاس ڈالے گی یا نہیں؟ تو اسے نظر نہیں آئے گا اور وہ تجھے جن بھوت سمجھتی رہے گی" "ہاں بڑے! یہ پریشانی ہے۔ میں جوان کب ہوا پتہ نہیں لیکن میراں کو دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ جوان ہو چکا ہوں۔ اور میرے ساتھ یہ مسئلہ رہے گا۔ کہ میں جسے پیار کرنا چاہوں گا وہ مجھے کوئی بلا یا بھوت سمجھ کر مجھ سے دور بھاگتی رہے گی۔"

"اچھا ہے کہ وہ تجھ سے دور رہے۔ میں نے اس کے چور خیالات پڑھے ہیں وہ چوبیس برس کی ہے اور تو بیس برس کا ہے۔ عشق کی گاڑی کا ایک پہیہ بڑا ہو اور دوسرا پہیہ چھوٹا ہو تو گاڑی نہیں چلتی۔ الٹ جاتی ہے۔"

"اے بڑے! تو مجھے چھوٹے کہتے کہتے ایک حسینہ سے بھی چھوٹا بنا رہا ہے۔ یاد رکھ مرد کبھی کسی عورت سے چھوٹا نہیں ہوتا۔ اس کا قد سوا پانچ فٹ ہے اور میں چھ فٹ لانبا ہوں۔ میرا چٹان جیسا سینہ اتنا چوڑا ہے کہ اس سینے پر وہ اپنے پورے وجود کو پھیلایا کرے گی۔"

"آخر پارس بھائی جان کے بیٹے ہو" اپنے باپ کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ بھائی جان کی ہسٹری مجھے معلوم ہے۔ انہوں نے بھی زندگی

میں پہلا عشق جس سے کیا تھا وہ عمر میں کچھ بڑی تھی۔" مجھے میرے ہی خاندان کی ہسٹری نہ سناؤ۔ تم پاپا کے چھوٹے بھائی ہو۔ تم بھی یہی کرد گے۔ یہ بتاؤ، مجھے کس لئے بلایا ہے؟"

"میں نے گیٹ وے آف سٹی کے ایک افسر کے خیلات پڑھے ہیں اس افسر نے بدنام زمانہ قاتل ماسٹر اورے گا سے میراں کے سلسلے میں رابطہ کیا تھا۔ ماسٹر اورے گا کسی وقت بھی میراں کو اغوا کر سکتا ہے۔ قاسم سردار کیسینوں کے زیر زمین حصے میں ماسٹر اورے گا کی رہائش ہے۔ میں ابھی اسے فون کروں گا۔ اس کی آواز سنوں گا۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچوں گا۔ ! اگر وہ سانس روکے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ٹیلی پیتھی کام نہیں آئے گی تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔"

"میراں کے لئے کچھ کیا بہت کچھ کروں گا، سب کچھ کروں گا۔ کہو تو میں ابھی اورے گا سے پوچھنے جاتا ہوں۔ کہ اغوا کے سلسلے میں اس کا پروگرام کیا ہے؟"

"ابھی نہ جاؤ۔ پہلے مجھے باتیں کرنے دو"۔

وہ موبائیل نکال کر اسے آن کر کے رابطہ کرنے لگا۔ قارئین اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کے وہ خیال خوانی کرنے والا جوان کبریا فرہاد سونیا اور فرہاد کا بیٹا۔ ۔ وہ نظر نہ آنے والا بابر علی فرہاد ہے۔ پارس کا بیٹا، اور آمنہ اور فرہاد کا پوتا۔ ان رشتوں کے مطابق کبریا نادیدہ، بابر کا چچا ہے۔ بابر سے تین برس بڑا ہے۔ اس لئے وہ بابر کو چھوٹے

کہتا ہے اور بابر اسے بڑے کہتا ہے۔ چونکہ دونوں کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس لئے وہ آپس میں چچا بھتیجا نہیں جگری یار بن کر رہتے ہیں۔ موبائیل فون پر رابطہ ہونے پر کبریا نے کہا۔ "ہیلو میں ماسٹر اورے گا سے بات کرنا چاہتا ہوں" "تم کون ہو؟"

"میں اس کمبخت کا باپ ہوں۔ وہ ذلیل کتا مجھے بڑھاپے میں تنہا چھوڑ گیا ہے۔ اس سے کہو۔ اگر اس نے مجھ سے بات نہ کی تو میں چھوٹے کو اس کے پاس روانہ کردوں گا۔"

"یہ چھوٹے کون ہیں؟"

یہ اورے گا کا چھوٹا باپ ہے۔ تم نہیں جانتے دو عدد باپ کی محنت مشقت کے بعد وہ اس دنیا میں آیا ہے۔ اسے فون پر بلاؤ۔

تھوڑی دیر بعد فون پر غرانے کی آواز سنائی دی۔" ابے کون ہے بے تو؟"

کبریا نے کہا۔" ہم نے تجھے شیر کا بچہ بنا کر پیدا کیا تھا۔ مگر تو کتے کی طرح بھونک رہا ہے تھو ہے تجھ پر۔"

وہ گرجنے لگا۔" زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مرد کا بچہ ہے تو سامنے آکر مجھ پر تھوک کر دکھا۔"

"کیا تو مرد کا بچہ ہے؟"

"ہاں ہاں آزمالے۔ میں مرد کا بچہ ہوں۔"

"پتہ نہیں کس مرد نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں تو عورت کا بچہ ہوں"

"ارے تو کوئی پاگل ہے، پاگل، شٹ اپ۔"

ادھر سے فون بند کردیا گیا۔ کبریا نے اپنے فون کو بند کیا۔ پھر خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچا۔ اس نے فوراً سانس روک لی کبریا نے کہا" چھوٹے! وہ تیرا شکار ہے مجھے بتا کیا کرے گا۔؟"

" سیدھی سی بات ہے۔ اورے گا کے ساتھ مل کر میراں کو اغوا کروں گا۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"بڑے! ذرا سمجھا کر وہ مجھ نادیدہ سے خوفزدہ ہوکر دور بھاگے گی۔ اگر میں ظالم بن کر اغوا کروں گا تو سنا ہے کہ لڑکیاں ظالم مردوں سے پیار کرتی ہیں۔"

"اگر تو نے ایک شریف زادی کے ساتھ ایسی ویسی حرکت کی تو میں تیرا سر توڑ دوں گا۔

"سر نظر آئے گا تو توڑے گا۔ اب تو تلاش کرتا رہے کہ میرا سر کہاں ہے۔ میں جارہا ہوں۔"

کبریا نے اپنے سامنے دیکھا۔ وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کبریا سمجھ رہا تھا کہ وہ جارہا ہے۔ جب وہ ٹھوس جسم میں نادیدہ رہتا تھا تو اس کے ننگے پیروں کے نشان کچی زمین پر پڑتے تھے

اور وہ آتا جاتا نظر آیا کرتا تھا۔ ایسے وقت جب کوئی اس کے قریب سے گذرتے وقت اس سے ٹکراتا تھا تو حیران ہو کر دیکھتا تھا کہ وہ ابھی کس سے ٹکرایا تھا۔ اس سے ٹکرانے والوں کی نہ حیرانی دور ہوتی تھی اور نہ یہ راز کھلتا تھا کہ ان کے شہر میں ایک نادیدہ نوجوان ان کے درمیان رہتا ہے آمنہ فرہاد نے روحانی عمل کے زریعے کبریاء فرہاد کو خیال خوانی سکھائی تھی اور اپنے بابر علی پر ایسا عمل کیا تھا کہ وہ جب چاہتا تھا اپنے نادیدہ ٹھوس جسم کو سائے میں تبدیل کرلیتا تھا پھر ایسے وقت نہ کوئی اسے چھو سکتا تھا۔ نہ ٹکرا سکتا تھا اور نہ ہی کچی یا گیلی زمین پر اس کے قدموں کے نشان پڑتے تھے۔ وہ کبریا سے رخصت ہو کر سائے میں تبدیل ہو کر یکے بعد دیگرے ان گاڑیوں میں بیٹھتا رہا، جو قاسم سردار کے کیسینو کے راستے پر جارہی تھی۔ جب وہ کیسینو کے زیر زمین حصے میں پہنچا تو پتہ چلا ماسٹر اورے گا وہاں نہیں ہے کسی ضروری کام سے کہیں گیا ہے۔ فی الوقت اس کا ضروری کام یہی تھا کہ میراں کو سرکاری تحویل سے نکال کر اپنے گمنام باس کے ایک خفیہ اڈے میں پہنچادے۔ بابر ماسٹر اورے گا کے خاص کمرے میں پہنچ کر ایک ایک سامان کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس کی ایک ڈائری میں کمپیوٹر ڈسک کے خاص نمبر لکھے ہوئے تھے۔ وہ ان نمبروں کے مطابق ایک ایک ڈسک نکال کر کمپیوٹر میں پش کر کے اس کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے لگا۔ اسکرین پر چند ٹیلیفون نمبرز کے ساتھ کوڈ نمبرز اور کوڈ ورڈز ابھر رہے تھے۔

بابر انہیں ذہن نشین کرنے لگا۔ اسکرین پر حروف اور نمبرز بدلتے جا رہے تھے۔ ان میں کچھ عیسائی، ہندو اور مسلم عورتوں کے نام تھے۔ آخر میں میراں کا نام بھی اسکرین پر ابھرا۔ میراں کا کوڈ نیم رکھا گیا تھا " پرل آف پاکستان۔ بابر نے وہ تمام ڈسک جہاں سے نکالے تھے، وہیں رکھ دیئے کمپیوٹر کو آف کردیا ڈائری کو بھی اس کی جگہ رکھ دیا جب وہ اس خاص کمرے میں آیا تھا تو ماسٹر اورے گا کا ایک ماتحت موجود تھا۔ وہ دروازے کو باہر سے بند کر کے چلا گیا تھا۔ یعنی بابر کا نادیدہ ٹھوس جسم اس کمرے میں قید ہوگیا تھا۔ اب وہ سایہ بن کر کھڑکی یا رواشندان کی جالیوں سے گذر کر باہر جا سکتا تھا۔ وہ باہر جانے کے لئے سوچ رہا تھا اسی وقت بھاری بھرکم قدموں کی آواز سنائی دیں۔ پھر کوئی دروازے پر آیا۔ ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ " کیا باس نے کال کیا تھا؟"

ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ " نو ماسٹر!"

"گدھے کے بچے! جب یہ کمرہ باہر سے بند ہے تو تجھے کیسے معلوم ہوا کہ باس کی کال نہیں آئی تھی۔"

" میں صرف ایک گھنٹے کے لئے آپ ہی کے کام سے باہر گیا تھا یہاں میری موجودگی میں کال نہیں آئی تھی۔"

دروازہ کھل گیا۔ ایک قد آور شخص اپنے ماتحت کے ساتھ کمرے میں

آیا پھر اپنی جیکٹ اتارتے ہوئے بولا " گیٹ وے آف سٹی کے افسر سے رابطہ کرو۔"

اس نے جیکٹ اتار کر بستر پر پھینکی۔ ماتحت کمپیوٹر پر رابطہ کرنے لگا۔ بابر نے بستر پر سے جیکٹ اٹھاکر فرش پر پھینک دی اس نے شرارت سے ایسا کیا تھا لیکن میراں کی تصاویر دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ وہ تصاویر جیکٹ کے اندرونی حصے سے نکل کر فرش پر پھیل گئی تھیں۔ ماسٹر اورے گا نے پلٹ کر حیرانی سے دیکھا۔ پھر ماتحت سے کہا۔ " یہ اس جیکٹ کو میں نے بستر پر ڈالا تھا۔ یہ نیچے کیسے آئی ؟ "ماسٹر! بستر کے سرے پر تھی۔ پھسل کر نیچے آئی ہے۔" وہ بستر کے سرے پر نہیں تھی۔ لیکن اورے گا کو تسلیم کرنا پڑا کہ ماتحت درست کہہ رہا ہے۔ جیکٹ جادو سے نیچے نہیں آئے گی۔ ماتحت فرش پر سے تصویریں اٹھانے لگا۔ کمپیوٹر اسکرین پر افسر کہہ رہا تھا۔ " ہیلو اورے گا ! کیا بات ہے ؟"

اورے گا نے کہا۔ " اب میں میراں کے لئے یہاں سے نکل رہا ہوں رات ہوچکی ہے میڈم میلی موس اسے کسی بڑے کلب میں لے جائے گی۔ مجھے بتاو، وہ دونوں اس وقت کہاں ہوں گی ؟"

اس افسر نے ایک موبائیل فون کے ذریعے رابطہ کیا پھر پوچھا۔ "وہ دونوں کہاں ہیں ؟" جواب ملا " سر ! میں برابر ان کے تعاقب میں ہوں۔ وہ دونوں ابھی کھرب پتی سرمایہ داروں کے وی آئی پی کلب میں

داخل ہوئی ہیں۔" افسر نے فون بند کر کے پوچھا۔" اورے گا تم نے سن لیا؟ وہ دونوں وی آئی پی کلب میں ہیں۔"

"تھینک یو۔ میں جا رہا ہوں۔"

"ایک منٹ۔ میڈم میلی موس کا موبائیل نمبر نوٹ کرو۔ شاید کسی وقت تمہارے کام آئے۔" کمپیوٹر اسکرین پر فون نمبر ابھرنے لگا۔ بابر نے بھی ان کو ذہن نشین کر لیا۔ پھر سایہ بن کر اورے گا کے اندر سما کر اس زیر زمین حصے سے باہر آیا۔ پھر اس کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھ کر وی آئی پی کلب کی سمت جانے لگا۔ میڈم میلی موس نے میراں کے لئے ایک بیش قیمت لباس اور ہیرے موتی کے زیورات خریدے تھے۔ میراں انکار کرتی رہی۔ لیکن بہترین لباس اور قیمتی زیورات کے وہ خواب دیکھتی تھی اس لئے میڈم کے ذرا سے اسرار پر قبول کرتی رہی۔ میڈم اسے ایک بیوٹی پارلر میں لے گئی پھر ڈیڑھ گھنٹے بعد باہر آئی تو اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے۔ راستہ چلنے والے رک رک کر اسے دیکھنے لگے۔ جب اس نے وی آئی پی کلب میں قدم رکھا تو وہاں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ آرکسٹرا کی ایک دھن پر حسین عورتیں مردوں کے ساتھ رقص کر رہی تھیں۔ میراں پر نظر پڑتے ہی کئی مرد رقص کرتے کرتے رک گئے۔ ان کے رکنے سے دوسرے رقص کرنے والے ڈسٹرب ہوئے۔ انہوں نے بھی رک کر دیکھا تو پھر دیکھتے ہی رہ گئے۔ میوزک کمپوزر کے تھرکتے ہوئے ہاتھ تھم گئے تو آرکسٹرا بھی تھم گیا۔ وہ جہاں جہاں سے

گزر رہی تھیں۔ نگاہیں وہاں وہاں گھومتی جارہی تھیں۔ پھر وہ میڈم کے ساتھ ایک میز پر آکر بیٹھ گئی۔ میڈم کی طرف جھک کر بولی۔" مجھے عجیب سالگ رہا ہے سب ہی مجھے دیکھ رہے ہیں۔"

"میراں تمہیں فخر کرنا چاہئیے قدرت نے جو حسن اور صحت مندی دی ہے، وہ آج دنیا کے امیر ترین سرمایہ داروں کے سر چڑھ کر بول رہی ہے۔ ذرا تکبر سے مسکراتی رہو۔ "تکبر سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔"

بندے خوش ہوجاتے ہیں۔ سرمایہ داروں کی یہ ایک بڑی کمزوری ہے، جو حسینہ مغرور ہو، وہ ان کے لئے چیلنج بن جاتی ہے۔ وہ اسے لاکھوں، کڑوروں ڈالرز کی مالکہ بنا کر اپنا لیتے ہیں۔ "میں یہ نہیں چاہتی کہ یہ دولت مند میری بولی لگائیں۔"

اس دنیا میں ہر لڑکی کی بولی لگتی ہے۔ جو لڑکیاں نادان ہوتی ہیں۔ وہ اپنا آپ مفت میں دیتی ہیں اور ساتھ جہیز بھی لے جاتی ہیں۔ ذرا سوچو، یہ تمہاری جیسی حسین اور معصوم لڑکیوں کو لوٹنے والا عمل ہے یا نہیں؟"

"ہاں تم کہتی تو ٹھیک ہو۔ آج نہیں تو کل کوئی میرا مجازی خدا بنے گا اور میں ایسا جیون ساتھی چاہتی ہوں، جو میرے سارے خواب پورے کرتا رہے۔"

موبائیل فون پر اشارہ موصول ہوا میڈم نے اسے آن کر کے کہا۔" ہیلو؟ میلی موس اسپیکنگ۔"

"میڈم! میں ہوں جان کریزی! شپنگ کارپوریشن کا مالک، آپ پہچان گئی ہونگی۔"

"بھلا آپ کو کیسے نہیں پہچانوں گی۔ بحرۂ عرب میں سب سے زیادہ آپ کے جہاز چلتے ہیں۔"

"شکریہ۔ میں ڈائیننگ ہال سے بول رہا ہوں۔ میرے لئے یہ اعزاز ہوگا۔ اگر آپ میری میز پر ڈنر کریں گی۔"

"مسٹر کریزی! اگر ہیرا پسند آگیا ہے تو شہر کے میئر سے رابطہ کریں۔ ڈیٹس آل۔"

اس نے موبائل فون بند کر کے میراں سے کہا۔" یہاں بیٹھتے ہی تمہارے ایک امیدوار کا فون آگیا۔ یہ یہودی ہے۔ شپنگ کارپوریشن کا مالک ہے۔ دولت اتنی ہے کہ تم گنتے گنتے بوڑھی ہوجاؤ گی "میں شادی کروں گی تو کسی مسلمان سے۔ مجھ سے کسی غیر مسلم کی بات نہ کرو۔"

"تم کسی مسلمان سے ہی شادی کرنا۔ مگر یہ تو معلوم کرتی رہو کہ کیسے کیسے پروانے تمہارا طواف کرتے ہیں۔"

ایک ملازم چاندی کی طشتری میں ایک خوبصورت سا وزیٹنگ کارڈ لیکر آیا۔ میڈم نے اسے اٹھا کر پڑھا۔ لکھا ہوا تھا۔ "حسن کے روبرد حاضری چاہتا ہوں۔ ناچیز، شیخ عبدالسلام"

میڈم نے اس کارڈ پر لکھا" شہر کے میئر سے رابطہ کریں۔"

اس نے کارڈ کو چاندی کی طشتری میں رکھا۔ ملازم واپس چلا گیا۔ وہ بولی۔" تم مسلمان کی بات کر رہی تھیں۔ ایک عیاش مسلمان کا پیغام تمہارے لئے آیا تھا۔ عرب پتی شیخ ہے۔ کیا شادی کرو گی۔"

میں عیاشوں کی دولت پر لعنت بھیجتی ہوں۔ میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ جوس پینا چاہتی ہوں۔"

میڈم نے ایک ویٹر کو بلا کر جوس کا آرڈر دیا۔ موبائیل سے اشارہ ملنے لگا۔ اس نے موبائیل فون کو آن کیا پھر کہا۔" ہیلو میلی موس اسپیکنگ"

دوسری طرف سے بابر نے کہا۔" میں لاہور سے آیا ہوں اور میراں کا محلے دار ہوں۔ میرا نام بابر ہے۔"

میڈم نے میراں سے پوچھا "تم کسی بابر کو جانتی ہو؟ وہ لاہور سے آیا ہے۔ کہتا ہے تمہارا محلے دار ہے۔"

"میں کسی بابر کو نہیں جانتی ہوں۔ مگر وہ میرے شہر اور محلے سے آیا ہے۔ اس لئے اس سے بات کروں گی۔"

میڈم نے اسے فون دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولی" ہیلو تم کون ہو؟ مجھے کیسے جانتے ہو؟" جب سے تمہیں دیکھا ہے، تب سے جانتا ہوں، جب سے تمہیں دیکھا ہے تب سے میں نے کوئی دوسرا خواب نہیں دیکھا ہے۔"

"کام کی بات کرو۔"

جوانی میں عشق سے بڑا کوئی کام نہیں ہوتا میں نے قسم کھائی ہے کہ گناہوں کی اس بستی میں تمہارے دامن پر داغ نہیں لگنے دوں گا۔"

کیا تم میرے باڈی گارڈ بن گئے ہو؟"

"تمہاری باڈی ایسی ہے کہ میں ہی گارڈ بن سکتا ہوں۔اور ابھی ایک خطرے سے آگاہ کررہا ہوں۔ میڈم سے بولو، ماسٹر اورے گا تمہاری تاک میں ہے۔ تمہیں اغوا کرنا چاہتا ہے۔ تمہارے اطراف سیکورٹی کا انتظام سخت کیا جائے۔"

میراں نے میڈم کو فون دیتے ہوئے کہا۔" یہ کہہ رہا ہے کہ یہاں مجھے خطرہ ہے۔ کوئی ماسٹر اورے گا مجھے اغوا کرنے والا ہے۔ میڈم فون لیکر سننے لگی پھر بولی " تھینک یو مسٹر بابر! ہم محتاط رہیں گے۔"

ویٹر جوس کا ایک گلاس لاکر میراں کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ وہ گلاس اٹھا کر ایک ایک گھونٹ پینے لگی ۔موبائیل فون نے پھر مخاطب کیا میڈم نے اسے اٹینڈ کرتے ہوئے کہا "ہیلو، میلی موس اسپیکنگ۔"

"ہیلو میڈم! میں دھنی رام۔ آپ کو یاد ہوگا پچھلی بار ..... وہ بات کاٹ کر بولی " اجی دھنی رام جی! آپ کو اس شہر میں کون نہیں جانتا ہے۔ آپ یہاں اربوں روپے کی لاگت سے ایسا حسن ساز ادارہ قائم کیا ہے۔ جہاں حسین لڑکیوں کو رقص،گیت ،اداکاری ، اور تبسم کو حسین سے حسین تر بنائے جانے کے گر سکھائے جاتے ہیں۔"

"بے شک دھنی رام کلا مندر سے لڑکیاں تربیت حاصل کر کے حسین

ترین بن جاتی ہیں۔ لیکن ایسا حسن زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ جیسا ابھی آپ کے پاس ہے۔۔۔؟

"آگے نہ بولیں۔ اس سلسلے میں شہر کے میئر سے رابطہ کریں۔ اس نے فون بند کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے دیکھا تو پریشان ہوگئی۔ میراں ایک ہاتھ سے سر تھام کر کہہ رہی تھی۔" میرا سر چکرا رہا ہے بہت کمزوری۔ کمزو ری۔۔۔"اس نے جھک کر میز پر سر ٹیک دیا۔ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ میڈم نے فوراً فون کے ذریعہ کسی سے کہا۔" خطرہ ہے۔ میراں بے ہوش ہو رہی ہے۔ اسے فوراً ہسپتال لے جانا ہے۔"

پھر اس نے وی آئی پی کلب کے مینیجر سے کہا۔"فوراً اپنے آدمیوں کو اسٹریچر لانے کا حکم دو۔"

اس نے حکم دیا۔ دوسری میزوں پر بیٹھے ہوئے عاشق مزاج رئیسوں کو خیریت پوچھنے اور مدد کرنے کے بہانے قریب آنے کا موقع مل گیا۔ سب ہی قریب آکر پوچھنے لگے" کیا ہوگیا ہے؟ کیا مس کی طبیعت ناساز ہے؟ ہم اپنی رولس رائس میں ہسپتال پہنچا سکتے ہیں۔"

ایک رئیس نے نبض دیکھنے کے بہانے میراں کو چھونا چاہا۔ میڈم نے سخت لہجے میں کہا۔" ڈونٹ ٹچ اسے آج تک کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ فی الوقت یہ دنیا کی مہنگی ترین دوشیزہ ہے۔ آپ حضرات ذرا دور ہوجائیں۔"

وہ سب اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ لوگ اتنے امیر

کبیر تھے کہ اونچی اونچی بولیاں دے کر اسے حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ شہری حکومت کی تحویل میں تھی۔اس حسینہ کے لئے باقاعدہ ٹینڈر طلب کیا جانے والا تھا۔ اس شہر کو اور وسیع تر اور خوب تر بنانے کے لئے کروڑوں اور اربوں ڈالرز کی سرمایہ کاری کی شرط عائد کی جانے والی تھی۔ ایک اسٹریچر لاکر رکھا گیا۔میڈم نے میراں کو تنہا کرسی سے اٹھا کر اسٹریچر پر لٹایا۔ کسی کو قریب آنے کی اجازت نہیں دی۔ میڈم کے اس طرز عمل سے میراں کا بھاؤ اور بڑھتا جارہا تھا۔ حسن کے طلبگاروں میں ضد پیدا ہورہی تھی۔ وہ دولت کے ساتھ ساتھ جان دیکر بھی اسے حاصل کرنے کی قسمیں کھانے لگے تھے۔ کلب کے چار ملازم اسٹریچر اٹھا کر لے جانے لگے۔ میڈم میراں کے ساتھ چل رہی تھی۔ اور کہتی جارہی تھی "پلیز کوئی قریب نہ آئیں۔ یہ رس بھری مٹھاس ہے۔لیکن آپ مکھیاں نہ بنیں۔ دور رہیں۔ دور ... دور .... دور رہیں وہ اسٹریچر پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔ اسے کلب کے باہر لایا گیا۔ ایک افسر نے چند مسلح جوانوں کے ساتھ آکر کہا۔" میڈم! ہم آگئے ہیں "آپ پریشان نہ ہوں۔"

اس نے مسلح جوانوں سے کہا۔" اسے ایمبولینس میں آرام سے لے چلو۔ میں میڈم کی کار میں ساتھ چلوں گا۔"میراں کو اسٹریچر سمیت ایمبولینس کے اندر پہنچایا گیا۔ فوجی افسر، میڈم کے ساتھ کار کی اگلی

سیٹ پر آگیا۔ پھر وہ قافلہ وہاں سے چل پڑا۔ آگے کار تھی۔ پیچھے ایمبولینس اور اس کے پیچھے فوجی جیپ تھی۔ میڈم نے افسر سے کہا۔ "اسے لیڈی ولسن ہسپتال لے چلو۔ میں کار کمپیوٹر کو ہسپتال تک تمام راستوں کی پہچان فیڈ کر رہی ہوں۔"

افسر نے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کار کمپیوٹر کو پہلے ہی فیڈ کر چکا ہوں۔"

اس نے چونک کر افسر کو دیکھا۔ پھر ناگواری سے پوچھا۔ "تم نے کیسے فیڈ کیا۔ جبکہ میری کار لاک تھی"

دنیا میں کوئی ایسا تالا نہیں ہے، جسے اورے گا کھول نہ سکے۔"

وہ ایکدم خوفزدہ ہو کر بولی۔ "تم؟ تم اورے گا ہو؟"

"ہاں میری جو تصاویر تمہارے سرکاری اداروں میں ہیں، ان سے مختلف ہوں۔ یہ میک اپ اور گیٹ اپ کا کمال ہے۔"

اورے گا! اس بار تم بری طرح پھنسو گے۔ انٹیلیجنس والوں کو میری کار انڈیکیٹ کرتی رہتی ہے کہ یہ شہر کے کن علاقوں سے گذر رہی ہے۔"

"پھر تو ہمیں اس کار سے نجات حاصل کرنا چاہیے۔"

ایمبولینس کے پچھلے حصے میں میراں بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ دو مسلح جوان ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک نوجوان کے حلق سے اونک کی آواز نکلی۔ منہ یوں کھل گیا جیسے گلا دبوچ لیا گیا ہے۔

دوسرے جوان نے پوچھا "اے کیا ہوا ہے تجھے؟"
اس کا سر ایک طرف. جھکا ہوا تھا. کھلے ہوئے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ یعنی گلا اس طرح گھٹا ہوا تھا کہ آواز نکلنے کا راستہ رک گیا تھا. ساتھی جوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر. جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔ "ابے کیا مرگی کا دورہ پڑا ہے؟"

اچانک اس کی. گردن ایک. جھٹکے سے گھوم گئی۔ "کڑک" کی آواز کے ساتھ ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ سامنے کی طرف ڈھلک کر اسٹریچر کے قریب اوندھے منہ گر پڑا۔ "ارے یہ کیا؟"

وہ اس پر. جھکا. اس اوندھے کو سیدھا کیا۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ اس کی موت کی تصدیق ہوتے ہی اس نے درمیانی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر آگے بیٹھے ہوئے افراد سے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن دھکا کھا کر واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سہم کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ کسی نے اسے دھکا دے کر سیٹ پر بٹھا دیا ہے
اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر ادھر ادھر کچھ محسوس کرنا چاہا۔ اسی وقت اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں آگیا۔ پھر بلکل ہی قریب آواز سنائی دی۔
"تم دونوں ہاتھوں سے اندھوں کی طرح ٹٹول رہے ہو۔ جبکہ تمہاری آنکھیں ہیں۔"

اس نے یکبارگی خوف سے چیخنا چاہا لیکن ایک ہاتھ منہ پر آگیا آواز سنائی دی۔ "ذرا سی بھی آواز نکالو گے تو اپنے ساتھی کی طرح خاموش

ہو جاؤ گے۔"

منہ پر سے ہاتھ ہٹ گیا۔وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے بدن سے بدن لگ رہا تھا۔ لیکن وہ بدن والا نظر نہیں آرہا تھا۔ایسے میں وہ چیخ کر کسی کو بلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ لگایا۔ وہ نادیدہ اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا۔" کیا ہاتھ لگا رہے ہو؟ میں ننگا رہتا ہوں۔کپڑے پہنوں گا تو جتنے حصوں پر لباس ہوگا، اتنا جسم نظر آئے گا۔یہ تمہارے سر پر فوجی ٹوپی ہے۔ اب یہ میرے سر پر آرہی ہے۔"

بابر نے اس کے سر سے فوجی کیپ اتار کر اپنے سر پر رکھی۔ سپاہی نے دیکھا کہ وہ ٹوپی ایک جگہ ایسے ٹھہر گئی تھی ۔ جیسے کسی نے سر پر پہن رکھی ہو۔ بابر نے اس کی گن اپنے ہاتھوں میں لی ٹوپی کی طرح گن بھی فضا میں معلق ہوگئی تھی ۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی نے وہ گن پکڑی ہوئی ہے ۔ فوجی جوان کا خون خشک ہو رہا تھا۔ ایک تو نادیدہ ہستی کی دہشت تھی دوسرے یہ کہ گن کا رخ اس کی اپنی طرف تھا وہ گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگنا چاہتا تھا۔ لیکن منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ بابر نے کہا۔" بڑے بدذوق ہو۔سامنے ایک سراپا محو خواب ہے اور تم خوف سے کانپ رہے ہو۔ ذرا دل مضبوط کرو۔ تم اسے اغوا کرکے اس کا سودا کہیں کرنے والے ہو۔"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ بابر نے کہا۔" منہ سے بولو۔"

وہ بڑی مشکل سے ہکلاتے ہوئے بولا۔ "مم۔ میں۔ نہیں۔ وہ۔ وہ۔ ما۔ ما۔ ماسٹر۔ اُو۔ رے گا۔"

"میں جانتا ہوں اورے گا اسے کس کے حوالے کرے گا۔ اور تم سب اس شریف زادی کو اٹھا لے جانے میں ماسٹر کی مدد کر رہے ہو۔ کیا اس لئے کہ یہ تمہاری بہن نہیں ہے؟ کیا اسے اپنی بہن بناؤ گے؟" "تت۔ تم جو کہو گے، وہی کروں گا۔"

"اسے اپنی بہن سمجھو اور اس کی عزت بچاؤ۔"

"اورے گا اور اس کے حواری بہت طاقتور اور خطرناک ہیں۔"

"میں اکیلا اس کی عزت کیسے بچا سکتا ہوں؟"

"اگر اسے دل سے بہن سمجھو گے تو میں اس کی عزت بچانے کے لئے تمہاری مدد کروں گا۔"

"میں اسے بہن سمجھتا ہوں۔ دل سے بہن سمجھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اب میں جادو سے تمہیں اور تمہاری بہن کو غائب کر کے دوسری جگہ پہنچادوں گا اس طرح تم اپنی بہن کی عزت کے رکھوالے کہلاؤ گے تمہیں منظور ہے غیرت مند بھائی؟"

"منظور ہے۔ میں اس کا غیرت مند بھائی بن کر رہوں گا۔"

"شاباش۔ دوسری جگہ پہنچ کر تم اپنی بہن کو میرے بیڈ روم میں پہنچا دینا۔ پھر صبح لے جانا۔ منظور ہے؟"

آں؟ ہاں۔ تمہارے حکم سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ تم جہاں کہو گے،
وہاں پہنچا دوں گا۔"

"کیسے پہنچاؤ گے؟"

"یہ۔یہ جو سامنے پڑی ہے۔"

"تمہاری کون ہے؟"

"میری بہن۔"

تڑاخ کی آواز کے ساتھ تھپڑ منہ پر پڑا۔ بابر نے کہا۔" بے غیرت! بہن
کہہ کر دلالی کرے گا؟"

گن کا رخ اس کی طرف ہوگیا۔ وہ سہم کر بولا۔" نن نہیں۔ مم۔ مجھے
گولی نہ مارو۔"

"تو زندہ رہے گا تو ایک نادیدہ انسان کے چرچے کرے گا۔"

ایمبولینس کے ڈرائیور کو اور اس کے ساتھ بیٹھنے والے کو فائرنگ کی
آواز سنائی دی۔ اس نے گاڑی روک کر کہا۔" یہ آواز ایمبولینس کے
پچھلے حصے سے آئی ہے۔" دوسری گاڑیاں بھی رک گئیں۔ ان نقلی
فوجیوں کا افسر بننے والا بھی ایمبولینس کے پیچھے آیا۔۔ ایک نے
دروازے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔ یہ فائرنگ کی آواز کیسی ہے۔؟ دروازہ
کھولو"

بابر دروازہ کھولتے ہی سایہ بن گیا۔ تاکہ ٹھوس نادیدہ جسم کسی سے

نہ ٹکرائے۔ نقلی افسر اور اس کے ماتحتوں نے اپنے دوساتھیوں کی لاشیں حیرانی سے دیکھیں۔ میراں بدستور بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی کہ کسی کے چھپنے کی گنجائش ہوتی۔ وہ حیرانی سے سوچ رہے تھے۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایمبولینس کے بند حصے میں دو ساتھی کیسے مرگئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے لیکن دشمن کی طرح ایک کی گردن توڑ دی گئی تھی۔ دوسرے کو گولی ماردی گئی تھی۔ نقلی افسر نے کہا۔ "سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ہے۔ یہاں سے نکل چلو۔ میں نے میڈم کو گولی مار دی ہے۔ اس لئے ایمبولینس میں جاؤں گا۔"

ان دونوں لاشوں کو باہر پھینک دیا گیا۔ نقلی افسر نے میراں کے پاس آکر دروازہ کو اندر سے بند کرلیا۔ ایمبولینس کے ساتھ حواریوں کی جیپ چل پڑی۔ میڈم کی لاش کے ساتھ اس کی گاڑی بھی وہیں چھوڑ دی گئی۔ اس نقلی افسر نے میراں کو دیکھا۔ غضب کا حسن و شباب تھا۔ بے ہوشی کی حالت میں حسن خاموش اور زیادہ پرکشش لگ رہا تھا۔ اس کی مجال نہیں تھی کہ وہ اپنے سے بڑے لوگوں کے مال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا۔ اس ایمبولینس کے پیچھے بند حصے میں دیکھنے کی آزادی مل گئی تھی۔ پھر وہ اتنے قریب تھی کے اسے چھونے کو جی چاہتا تھا۔ اس نے بند دروازے کو دیکھا، کوئی اس کی چوری پکڑنے نہیں آسکتا تھا۔ وہ اس کے گورے اور چکنے چہرے کو چھو کر اپنی

حسرت پوری کر سکتا تھا۔ وہ بھی کیا قیامت تھی، مقناطیس کی طرح کھینچ رہی تھی۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف جھکا۔ پھر اس کے چہرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت اچانک سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ وہ خود سیدھا ہو کر نہیں بیٹھا تھا۔ کسی نے سر کے بال پکڑ کر اسے ایک جھٹکے سے سیٹ پر سیدھا کر دیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے سر کے بالوں کو سہلاتا ہوا اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ بابر نے میراں کے سرہانے آکر نسوانی آواز میں کہا۔ "ہائے تم مجھ پر ٹیڑھے ہوئے تھے۔ پھر سیدھے کیوں ہو گئے۔ آؤ نا میرے رانجھناں!"

وہ سہم کر بولا۔ "تت۔ تم کیسے بول رہی ہو؟ تمہارے ہونٹ بند ہیں۔ گدھے کے بچے، عاشق ہے تو دل کی آواز پہچان یہ آواز میرے دل سے آرہی ہے۔ آ! سینے نال لگا جا ٹھاہ کر کے...."

اس نے جلدی سے موبائل فون نکال کر اسے آن کیا۔ نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہوتے ہی کہا۔ "ماسٹر! ہم کسی رکاوٹ کے بغیر میراں کو لا رہے ہیں۔ لیکن یہ میراں آسیب زدہ ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"سچ کہتا ہوں۔ آپ کے تمام ماتحت گواہی دیں گے۔ ہمارے دو ساتھی میراں کے ساتھ ایمبولینس کے پچھلے حصے میں تھے۔ گولی چلنے کی آواز

سن کر ہم نے گاڑی روکی تو دیکھا، ایمبولینس کے پچھلے حصے میں ہمارے دونوں ساتھی مردہ تھے۔ ایک کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ دوسرا فائرنگ سے ہلاک ہوا تھا۔ جب کہ پچھلے بند حصے میں کوئی ان کا دشمن نہیں تھا۔ اور میراں اتنی شہ زور نہیں ہو سکتی کہ ایک مرد کی گردن توڑ دے۔"

"تم جو کہہ رہے ہو، وہ ناقابل یقین ہے۔ کیا وہاں سب ہی چشم دید گواہ ہیں؟" یس ماسٹر! وہ چشم دید گواہ ہیں۔ اور اب میں ایمبولینس کے پچھلے حصے میں ہوں۔ میراں پہلے کی طرح بے ہوش ہے۔ لیکن اس کے اندر سے آواز آرہی ہے۔ جب کہ اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ بند ہیں۔"

"یہ کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہو؟ ہونٹ بند ہوں تو کوئی بول نہیں سکتا۔"

"بول سکتی ہے۔ یہ بے ہوش ہے۔ مگر میں اس کی آواز سنا رہا ہوں ذرا غور سے سنو۔"

وہ موبائیل فون کو میراں کے منہ کے قریب لاکر بولا۔" میراں! کچھ بولو۔ ہمارے ماسٹر کو یقین دلاؤ۔"

بابر نے نسوانی آواز میں کہا۔" کتے کے بچے! میرے تیرے عشق میں دل کی آواز سنا رہی ہوں اور تو اپنے باپ کو بلاکر لے آیا ہے۔ کیا رشتے کی بات کرے گا؟ ارے انتظار تو کر مجھے ہوش تو آنے دے۔

اس نے اپنے کان سے فون لگا کر پوچھا۔"ماسٹر! تم نے سنا؟ یہ بیہوش ہے اور آواز اس کے دل سے نکل رہی ہے۔"

ماسٹر اورے گا نے جھنجلا کر کہا۔"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، میں ایسی ناقابل یقین بات کا کیسے یقین کرلوں۔ اسے جلد سے جلد یہاں لے آؤ اورے گا نے رابطہ ختم کردیا۔ اس نقلی افسر نے موبائیل فون بند کر کے میراں کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔" میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم نے ہمارے دو ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔؟"

نسوانی آواز سنائی دی۔"جن کی موت آتی ہے، وہ پٹ سے مرجاتے ہیں۔

کوئی کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔

میں تمہیں بھی ہلاک نہیں کروں گی۔

مگر تم مرجاؤ گے۔"

وہ سہم کر بولا نن۔" نن نہیں میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ مجھے نہیں مرنا چاہیئے۔"

"میری عزت کو، میری شرافت کو نقصان پہنچانے کے لئے کہیں لے جارہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے نقصان نہیں پہنچارہا ہے۔ تجھے تو مرنا ہی ہوگا۔"

وہ گھبرا کر درمیانی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر گاڑی روکنے کے لئے کہنا چاہتا تھا۔ لیکن منہ پر ایک گھونسا پڑتے ہی پیچھے کرسی کی طرف گر پڑا وہ گھونسا ہتوڑے کی طرح لگا تھا۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کا سر ذرا دیر کے لئے چکرایا۔ پھر وہ اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔ اس کے لاک کو کھولا اس سے پہلے کے دروازے کے دونوں پٹ کھولتا، وہ لاک خود بہ خود لگ گیا۔ اس نے خوف سے تھر تھراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ نظر نہ آنے والے کی دہشت طاری تھی۔ وہ جلدی سے لاک کھول کر دروازے کے پٹ کھولتے ہی تیز رفتار گاڑی سے چھلانگ لگانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے پھر ایک بار لاک کو کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ پھر اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ دوسری بار منہ پر گھونسا پڑا تھا۔

ایمبولینس کی اگلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور اور اس کے ساتھی کو پچھلے حصے سے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

ایک نے درمیانی چھوٹی سی کھڑکی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کھڑکی کھولو اور ہمیں بتاؤ کیا پریشانی ہے؟"
وہ پریشانی نہیں بتاسکتا تھا۔ اسے نہ دروازہ کھولنے کی اجازت تھی، نہ کھڑکی، صرف ذبح ہونے والے بکرے کی طرح چلانے کی اجازت تھی۔
وہ ایمبولینس منزل تک پہنچ گئی تھی۔ وہ جیسے ہی جیپ کے ساتھ ایک گیراج میں داخل ہوئی۔ اس کا شٹر بند کردیا گیا۔ گاڑیاں رک گئیں۔ سب ہی دوڑتے ہوئے ایمبولینس کے پچھلے حصے کی طرف آئے پھر ان کے دستک دینے سے پہلے ہی دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے۔ میراں بدستور بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے اسٹریچر کے پاس نیچے گاڑی کے فرش پر نقلی افسر پڑا ہوا تھا۔ اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔

شہر کے میئر کا کمپیوٹر فون ہر ایک دو منٹ میں آن ہورہا تھا۔ بڑے بڑے سرمایہ دار کسی بھی قیمت اور کسی بھی شرط پر میراں کو حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کررہے تھے۔ میئر کا سیکریٹری جواباً کہہ رہا تھا کہ دوسرے دن شام کو پانچ بجے میئر کے چیمبر میں میراں کے سلسلے میں خاص اور خفیہ اجلاس ہوگا۔ جتنے طلبگار ہیں وہ اس اجلاس میں شرکت کرسکتے ہیں۔ فوج کے افسر نے میئر سے فون پر کہا۔" میراں فوجی مقاصد کے لئے ضروری ہے۔ آپ ابھی اس کے لئے بارگیننگ نہ کریں۔ اسے فوج کی تحویل میں دے دیں۔"

میر نے کہا۔" آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ماسٹر اورے گا میراں کو اغوا کرچکا ہے۔ ہم یہ بات چھپا رہے ہیں اور اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

"یہ ہمارے لئے شرم کی بات ہے کہ آپ کی پولیس اور ہماری ملٹری انٹیلیجنس آج تک اورے گا کو گرفتار نہ کرسکی اور نہ ہم اس کی خفیہ رہائش گاہ پتہ چلانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

"میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ ماسٹر اورے گا کی پشت پر ہمارے جیسے اکابرین میں سے کوئی ہے۔ اسے بتا دیتا ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے سلسلے میں کیسے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ ایسی معلومات کے مطابق اورے گا اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے۔"

"جب اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم نہیں ہے تو پھر میراں کو کیسے واپس حاصل کیا جائے گا؟"

"ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اورے گا اگر نہ ملے تو بعد میں اس سے نمٹ لیں گے لیکن میراں ہمیں کسی طرح مل جائے۔ ہو سکتا ہے میراں کو خوش کرنے کے لئے اورے گا اس کے مولوی باپ کو اس کے پاس پہنچا دے۔ ایسے میں باپ بیٹی اس دشمن کو اپنا ہمدرد سمجھنے لگیں گے۔ افسر نے کہا۔" یہاں اس مولوی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسے ختم کردو۔"

اسے ختم کرانے سے بہتر ہے کہ اسے خوب بدنام کیا جائے۔

ایک مولوی پیش امام بدنام ہوگا تو اس کے دین پر بھی حرف آئے گا۔"

جیسا میں کہہ رہا تھا ویسی ہی پلاننگ پر عمل ہو رہا تھا۔ جو ڈرائیور مولانا عبدالحق کو مسجد کے پاس چھوڑ گیا تھا اسے سمجھایا گیا تھا کہ عشاء کے بعد مولانا کو بیٹی کی تلاش کے بہانے رنگین تتلیوں کے کلب میں لے جائے۔اور ڈرائیور یہی کرنے والا تھا۔اس سے پہلے کبریا فرہاد ایک نمازی بن کر مولانا سے متعارف ہو چکا تھا اس نے مولانا سے وعدہ کیا تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد ان کے ساتھ تمام رات بیٹی کو تلاش کرتا رہے گا۔ پھر وہ وقتاً فوقتاً خیال خوانی کے ذریعے ان کے دماغ میں یہ نقش کرتا رہا تھا کہ یہ نوجوان کبریا اس انجانے شہر میں ایک اچھا راہنما ثابت ہوگا میں بیٹی کی تلاش میں کامیاب ہونے تک اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ ڈرائیور اپنے مقررہ وقت پر آیا تو مولانا نے کہا۔" میں بنگلے میں جاکر کیا کروں گا۔ مجھے ایسی ایسی جگہ لے چلو، جہاں بیٹی کے ملنے کی توقع ہو۔"

"آپ کار میں تشریف رکھیں آپ جہاں کہیں گے، آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

" میرے ساتھ یہ نوجوان بھی جائے گا۔"

ڈرائیور اعتراض کرنا چاہتا تھا۔کبریا نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا تو اس نے کہا۔" بیشک مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے آپ دونوں چلیں۔"

وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے ڈرائیور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سوچنے لگا۔"یہ نوجوان ساتھ رہے گا تو میں مولانا کو کلبوں میں نہیں لے جاسکوں گا۔"

کبریا نے اس کی سوچ میں کہا۔"ہوسکتا ہے نوجوان شوقین مزاج ہو کلب میں جاتے ہی حسیناؤں کو دیکھ کر پھسل جائے۔ویسے اس کی عمر پھسلنے ہی کی ہے۔"

وہ راستے میں ڈرائیور کو قائل کرتا رہا۔ آخر وہ کار ایک کلب کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے کہا۔"مولانا ! آپ کو کلبوں میں جانا تو نہیں چاہیے۔ لیکن اغوا کرنے والے آپ کی صاحبزادی کو ایسی ہی جگہ پہنچا سکتے ہیں۔ آپ اندر جاکر اسے تلاش کریں۔"

مولانا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔"بیٹی کی عزت اور حفاظت کا مسئلہ ہے۔ اندر جانا ہی ہوگا۔"

وہ کبریا کے ساتھ کار سے باہر آیا کلب کے گارڈن میں حسین عورتوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ کچھ اپنے اپنے مردوں کے ساتھ بار کاؤنٹر پر اور مختلف میزوں پر مستیوں میں چور تھیں۔ کچھ ڈانس فلور پر رقص کے بہانے جسموں کی نمائش کر رہی تھیں۔ مولانا نے منہ پھیر کر کہا۔" بیٹے ! یہاں تو گناہ سے پہلے آنکھ گناہ گار ہوجاتی ہیں ایک بیٹی کو تلاش کرتے کرتے کتنی ہی گناہ گار عورتوں کو دیکھنا پڑے گا۔ تم کسی طرح میراں کو ڈھونڈ لو"

"مولانا صاحب! میں نے پہلے کبھی آپ کی صاحبزادی کو نہیں دیکھا ہے۔ میں کیسے پہچانوں گا کہ اس بھیڑ میں آپ کی صاحبزادی کون ہے؟"

مولانا نے سر جھکا کر کہا۔ "نہیں، میں ادھر نہیں دیکھوں گا اپنی آنکھوں کو گناہ گار ہونے سے بچانا میرے اختیار میں ہے اور میری بیٹی کی عزت بچانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس لئے یہاں سے چلو۔ عبد الحق اس کلب کے گارڈن سے باہر جانا چاہتا تھا اسی وقت ایک حسینہ اس کے سامنے آگئی۔ وہ منی اسکرٹ اور بغیر آستین کا بلاؤز پہنی ہوئی تھی۔ بلاؤز کا گریبان اتنا کھلا ہوا تھا کہ کھلنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ وہ بولی۔ "میں دور سے تمہیں دیکھ رہی تھی اور تم دور جارہے ہو؟"

عبدالحق نے کہا۔ "سامنے سے ہٹ جاؤ میں بے حیائی کے سائے سے بھی دور رہتا ہوں۔"

"اگر میں بے حیا ہوں تو مجھے با حیا بنا دو۔ گمراہ کو صحیح راہ پر لانا کیا تمہارا دینی فرض نہیں ہے؟"

کبریا نے کہا۔ "واہ مولانا صاحب! یہ تو لاکھ روپے کی بات کہہ رہی ہے۔"

"تم چپ رہو۔ گناہوں کی دلدل میں رہنے والی شرم و حیا کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکے گی۔"

"جب میں خود ہی شرم و حیا کو سیکھنا اور حیا کے مطابق عمل کرنا چاہتی ہوں تو مجھے کسی دلدل میں رہنے کا طعنہ نہ دو۔"

"تمہارے لباس سے، تمہارے انداز سے اور تمہاری گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ تم غیر مسلم ہو۔ لہٰذا اپنے مذہبی پیشوا کے پاس جاکر صحیح راہ پر چلو۔"

"میں اسلام قبول کروں گی۔"

"تم اچانک اسلام کیوں قبول کرنا چاہتی ہو۔"

"تاکہ تم مجھے قبول کرو۔"

"یہ کیا بکواس کررہی ہو؟"

کبریا نے کہا "تعجب ہے۔ یہ ہمارے دین میں آنا چاہتی ہے اور آپ اسے بکواس کہہ رہے ہیں۔"

"تم سوچے سمجھے بغیر نہ بولا کرو۔ میں ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔ میری عمر دیکھو۔ کیا اس عمر مین خوش ہوجاؤں کہ یہ میری خاطر اسلام قبول کررہی ہے۔؟"

"اگر یہ شرم وحیا کو قبول کررہی ہے۔ ہمارے دین کو قبول کررہی ہے تو آپ بھی دینی فرض ادا کرنے کے لئے اسے قبول کریں۔"

"بے شک کسی غیر مسلم کو مسلم بنانے کے لئے بڑی بڑی قربانی دینا چاہئیے۔ لیکن اسے اپنی زوجیت میں لینے کی عمر میری نہیں تمہاری ہے۔ میں تو بوڑھا ہوچکا ہوں۔"

"ایک بیٹی کے جوان ہوجانے سے باپ بوڑھا نہیں ہوجاتا تم خواہ مخواہ اپنے اوپر بڑھاپا طاری کررہے ہو۔"

ایسا کہتے ہوئے اس حسینہ نے مولوی کی گردن میں بانہیں ڈال دیں اسی لمحے کئی فلیش لائیٹس چمکیں اور بجھ گئیں۔ مولانا کے ساتھ حسینہ کے رنگین لمحے کی تصاویر اتار لی گئی تھیں۔ ایک اور حسینہ نے آکر مولانا کو اپنی طرف کھینچ کر پہلی حسینہ سے الگ کرتے ہوئے کہا۔" تجھے شرم نہیں آئی ؟ صرف گردن میں باہیں ڈال کر بے شرم، کا موقع ضائع کرتی ہے اری! تجھے تو بوسہ لیناچاہیے تھا۔"

یہ کہتے ہی دوسری حسینہ بوسہ لینے کے لئے عبد الحق کے چہرے سے چہرہ قریب لائی پھر کئی فلیش لائیٹس روشن ہوکر بجھ گئیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایک بوسے سے مولانا کے پاک دامن کو داغدار کرتی کبریا نے اس کے دماغ میں ہلکا سا زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر مولانا سے دور ہو گئی۔ کبریا نے پہلی حسینہ کے اندر آکر اسے ڈرایا۔ وہ دوڑتی ہوئی فوٹو گرافر کے پاس آئی۔ پھر اس سے کیمرہ چھین کر اس کے اندر سے نیگٹیو رول نکال کر اسے پوری طرح کھول کر پھینک دیا۔ پھر اس نے دوسرے فوٹو گرافر کے پاس جاکر یہی کہا۔ وہ کہتا رہا۔" میڈم یہ آپ کیا کررہی ہیں؟ بڑے صاحب ناراض ہوجائیں گے۔"

مولانا توبہ توبہ کرتے ہوئے کلب کے احاطے سے باہر آئے۔ کبریا سے کہنے لگے۔" دیکھا اس شرم و حیا والی کو؟ ایک نہیں دو ہو گئی تھیں۔

میرے ساتھ بے حیائی سے تصویریں اتار کر مجھے بدنام کرنا چاہتی تھیں۔"

"آپ پر دو حسینائیں مر رہیں تھیں۔ جوانی میں آپ کیسے گبرو اور بانکے چھیل چھبیلے ہوں گے۔ پلیز بتائیں روز کتنی مرا کرتی تھیں؟"

"جوانی میں خدا نے مجھے اسی طرح سے بچائے رکھا۔ جیسے آج اس نے بچایا ہے۔ جو بدنام کرنا چاہتی تھی، اسی نے تصاویر کو ضائع کر کے مجھے بدنامی سے بچایا ہے، یہ خدا کی قدرت ہے تم نہیں سمجھو گے۔"

"جی ہاں آپ عالم ہیں میں بچہ ہوں۔ آپ کے سائے میں رہتے رہتے سمجھ لوں گا۔ بائی دی وے اب ہم کہاں جائیں گے؟"

ڈرائیور نے کار سے نکل کر کہا "مولانا صاحب! ابھی ایک منٹ پہلے انٹیلیجنس کے چیف نے فون کیا تھا آپ کی صاحب زادی دشمن کے ایک خفیہ اڈے میں ہے۔ پولیس اور انٹلی جنس والے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ آپ بھی چلیں۔"

وہ کبریا کے ساتھ فوراً پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ کار چل پڑی۔ کبریا ڈرائیور کے چور خیالات پڑھنے لگا۔ ایک بحری جہاز کے عرشہ پر چار ویڈیو کیمرے چار مختلف زاویوں سے متحرک تصاویر اتارنے والے تھے بڑی بڑی لائٹس اور ساؤنڈ ریکارڈنگ مشین وغیرہ بھی خاموش تھیں۔ مولانا عبدالحق کا انتظار ہو رہا تھا۔ شہر کا میئر ایک فوجی افسر اور دو انٹیلیجنس کے افسران کے ساتھ کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔

افسر غصہ سے کہہ رہا تھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمہاری پولیس اور انتظامیہ ایک میراں کی حفاظت نہ کر سکی۔ اسے اغوا کر لیا گیا۔ اب اس کا مولوی باپ قابو میں نہیں آرہا ہے۔ اسے ٹریپ کرنے کے لئے کن پاگل عورتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی؟"

ایک افسر نے کہا۔ "وہ دونوں پاگل نہیں تھیں۔ ابھی انہیں سزائیں دی جارہی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ مولوی کچھ پڑھ رہا تھا۔ شاید کوئی روحانی عمل کر رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان دونوں کے دماغ الٹ گئے تھے۔

"نان سنس! اکیسویں صدی کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں روحانیت کی بات کر رہے ہو۔ کیا گھاس کھانے لگے ہو؟"

افسر نے کہا۔ "سر! ہماری دنیا میں خواہ کتنی ہی مادی ترقیاں ہوتی رہیں۔ ہم اکیسویں صدی سے اکانوے صدی میں پہنچ جائیں پھر بھی روحانیت باقی رہے گی روح ختم ہو گی تو پھر ایک بھی ذی روح نہیں رہے گا۔"

"تم مذہبی گفتگو کر رہے ہو۔ جبکہ رفتہ رفتہ تمام مذاہب کا خاتمہ ہوتا جارہا ہے۔"

"سر میں کوئی کٹر مذہبی نہیں ہوں۔ لیکن کوئی ایسا غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ ہمارے سامنے ہو اور سمجھ میں نہ آئے کہ وہ واقعہ کیسے ظہور میں آیا تھا؟ تو پھر روحانیت یا کرشمہ قدرت کو ماننا پڑتا ہے۔"

افسر نے کہا۔ "تمہارے خیال کے مطابق اگر مولوی کو بدنامی سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرت نے کوئی کرشمہ دکھایا تھا تو پھر قدرت کو یہاں بھی

کرشمہ دکھانا چاہئیے۔ وہ دیکھو، مولوی آرہا ہے۔"

کیبن کے باہر عرشہ پر مولانا اور کبریا پہنچ گئے تھے۔ آرکسٹرا ایک دھن بجا رہا تھا۔ چھ عدد حسینائیں اس دھن پر رقص کررہی تھیں۔ کبھی مولانا کے قریب آرہی تھیں، کبھی دور جارہی تھیں۔ ایک افسر کہہ رہا تھا۔" مولوی! سامنے میز پر شراب ہے اور تھرکتا ہوا شباب ہے آگے بڑھو اور عیش کرو۔ انکار کرو گے تو یہاں سے زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔"

مولانا نے کہا۔" تم لوگ مجھے قتل کرسکتے ہو۔ مگر گناہ اور حرام چیز کی طرف مائل نہیں کرسکتے۔"

ان کی گفتگو کے دوران کبریا نے پہلے ایک ویڈیو کیمرہ مین سے بات کی۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کے ذریعہ دوسرے کیمرہ مین اور گن مین وغیرہ کے اندر پہنچتا چلا گیا۔

وہ حسینائیں رقص کے دوران ہنستی جارہی تھیں اور مولانا کے جذبات بھڑکانے کے لئے فحش فقرے ادا کرتی جارہی تھیں۔ یوں کبریا کو اپنی آوازیں سناتی جارہی تھیں۔ پھر ایک حسینہ مولانا کو پکڑ کر کھینچتی ہوئی میز کے قریب لائی۔ ویڈیو کیمرے آن ہو گئے تھے مولانا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔" اس حرام شے سے بھری ہوئی بوتلوں کو توڑدو۔"

اس حسینہ نے کبریا کی مرضی کے مطابق کہا۔" مجھ سے بھول ہو گئی۔

"میں سمجھ نہ سکی ایک مذہبی پیشوا کو اس طرح گمراہ کرنے کی حرکتیں کر رہی ہوں۔"

میز پر شیشے کے جام اور شراب سے بھری ہوئی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک بوتل اٹھا کر عرشہ کے فرش پر پٹخنے اور توڑنے لگی۔ افسر غصہ سے دھاڑتا ہوا کیبن سے باہر آیا۔ اس کتیا کو پکڑو۔ یہ بوتلیں توڑ رہی ہے اور تم سب تماشہ دیکھ رہے ہو۔

وہ حسینہ اپنا سر تھام کر سوچ رہی تھی کہ وہ بوتلیں کیوں توڑ رہی تھی؟ ایسے ہی وقت دوسری حسینہ اپنی کھوپڑی سے باہر ہوگئی۔ وہ گلاس اٹھا اٹھا کر افسر کی طرف یوں پھینکنے لگی۔ جیسے پتھر مار رہی ہو۔ میئر نے کہا۔" ارے کیا پاگل ہوگئی ہیں۔ انھیں جوتے مارو۔"

انٹیلیجنس کے افسر نے فوجی افسر سے کہا۔"کلب کے گارڈن میں بھی ان دو عورتوں کو پاگل سمجھا گیا تھا۔ جبکہ وہاں کی طرح یہاں بھی مولوی کا روحانی عمل جاری ہے۔"

فوجی افسر نے مولانا کو دھکا دے کر پوچھا۔" کیا تم روحانی عمل کر رہے ہو؟

دوسرے ہی لمحہ میں فوجی افسر نے مولانا کے قدموں میں جھک کر کہا۔" مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کو دھکا دینے کی گستاخی کی ہے۔ آپ مجھے ٹھوکر ماریں۔"

میرؔ اور افسر نے فوجی افسر کو پکڑ کر اس کے قدموں سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں"؟

فوجی افسر نے چونک کر مولانا کو دیکھا۔ وہ حیران ہو رہا تھا اور جھینپ رہا تھا کہ ایک مولوی کے قدموں میں کیوں. جھکا ہوا تھا؟ اس نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ "یہ۔ یہ کوئی جادوگر ہے۔ اب اسے جادو کرنے کا موقع نہ دو۔ اسے فوراً گولی مار دو"

ایک گن مین نے حکم کی تعمیل کی۔ مولانا کا نشانہ لیا لیکن افسر پر گولی چلادی۔ فوجی افسر چیخ مار کر اچھلتا ہوا فرش پر گرا۔ اس کی ران میں گولی لگی تھی۔ میرؔ اور افسر اسے سنبھالنے لگے۔ دوسرے گن مین نے پہلے گن مین کو گولی مار دی۔ پھر میرؔ سے کہا۔ "اس کمبخت نے فوجی افسر کو گولی مار دی۔ جبکہ فوجی افسر کے حکم کے مطابق اس مولوی کو شوٹ کرنا چاہئیے میں اسے گولی مار رہا ہوں۔"

میرؔ نے دہشت سے چیخ کر کہا۔ "ارے تو مولوی کو مارو۔ میرا نشانہ کیوں لے رہے ہو؟ ہٹاؤ گن کو میرے سامنے سے ہٹاؤ"

دو فوجی جوانوں نے اسے پکڑ کر دوسری طرف گھمایا۔ لیکن گولی چل گئی۔ ایک حسینہ کو لگی۔ باقی پانچ حسینائیں دوڑتی ہوئی مولانا کے قدموں میں آگریں۔ اپنی غلطیوں اور گناہوں کی معافیاں مانگنے لگیں۔ مولانا عبدالحق خدا کا شکر ادا کر رہے تھے اور بلند آواز سے کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ ایک افسر نے کہا۔ "مولوی کا منہ بند کرو۔

"یہ کچھ پڑھ رہا ہے۔ اس کے اس عمل سے ہم پر مصیبتیں آ رہی ہیں۔"

دوسرے افسر نے کہا۔" منہ بند کرنے سے بہتر ہے۔ اسے گولی مار دی جائے۔"

"نہیں اسے گولی مارنے کا انجام ہم دیکھ رہے ہیں۔ فوجی افسر زخمی ہوگیا ہے۔ اور ایک حسینہ مر چکی ہے۔ اس کے منہ پر اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ دو۔ اس کے بعد گولی ماری جائے گی۔"

دو تگڑے جوان مولانا کی طرف بڑھے اچانک کبریا نے گھوم کر ایک کے منہ پر کک ماری۔ کک مارنے والی لات دائیں سے بائیں گئی تھی اتنی ہی پھرتی کے ساتھ بائیں سے دائیں واپس آئی تو دوسرے کے منہ پر پڑی دوسرا بھی لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ دونوں کی باچھوں سے لہو رس رہا تھا۔ یہ فائیٹنگ کا حیرت انگیز فن تھا کہ ایک ہی لات۔ بجلی کی تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر جا کر ادھر سے ادھر پلٹ گئی تھی۔

دونوں نے۔ جھنجلا کر بیک وقت اس پر حملہ کیا۔ جہاں حملہ کیا۔ وہاں وہ نہیں تھا۔ آخر سونیا کا لال تھا۔ لڑتا کم تھا، دشمنوں کو تھکاتا بہت تھا۔ اور اپنی مما کے اصول کے مطابق لڑنے میں وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ وہ فضا میں قلابازی کھا کر دوسری جگہ پہنچتے ہی ایک گن مین کے اندر پہنچا۔ اس گن مین نے تڑاتڑ گولیاں چلائیں۔ دونوں حملہ آور چیخیں مار کر گرے۔ پھر ٹھنڈے پڑ گئے۔

گن مین نے میئر کے قریب آکر اسے نشانے پر رکھ کر کہا۔"مولانا صاحب کو عزت سے جانے دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

فوجی افسر کے زخم کی مرہم پٹی کی جارہی تھی۔ وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔"گولی گوشت پھاڑ کر نکل گئی ہے۔ یہ گن مین تمہاری کھوپڑی بھی پھاڑ دے گا۔ اس مولوی مصیبت کو فی الحال جانے دو۔"

میئر نے کہا۔"یہ خطرناک ہے۔ اپنے عمل سے شہریوں کو متاثر کر کے انھیں مذہب کی طرف مائل کرے گا۔ اے مولوی! میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ابھی اس شہر سے نکل جا۔"

یہ شہر پاکستان میں ہے۔ میں اس شہر سے تمہارے جیسے بے دین لوگوں کو نکالنے اور اسلامی تہذیب کو دوبارہ بحال کرنے آیا ہوں۔ یہاں سے میں نہیں، تم جاؤ گے۔"

گن مین نے میئر سے کہا۔" انھیں باتوں میں نہ الجھاؤ۔ یہاں سے جانے دو۔"

میئر نے افسر سے کہا۔" مولوی کے ساتھ جاؤ۔ تاکہ کوئی نقصان نہ پہنچائے مجھے گن پوائنٹ پر رکھا گیا ہے۔ یہ میری انسلٹ ہے۔"

مولانا اور کبریا افسر کے ساتھ جہاز کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے ساحل پر آئے۔ انھیں وہاں لانے والی کار موجود تھی۔

ڈرائیور نے ان کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ دونوں بیٹھ گئے۔ پھر اس نے اسٹئیرنگ سیٹ پر آکر بٹن دبایا۔ کار چلنے لگی۔ مولانا عبدالحق نے کہا۔" مجھے واپس مسجد پہنچا دو مجھے اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد ہے جو میری حفاظت کر رہا ہے وہ میری بیٹی کی بھی حفاظت کر رہا ہو گا"

کبریا نے کہا۔" مولانا صاحب! یہ تو دنیا جانتی ہے کہ یہ شہر پاکستان میں ہے۔ لیکن عمان کے سلطان کی پشت پر رہنے والے امریکہ کو سو سال کے لئے پٹے پر دی گئی ہے۔ اس شہر میں پاکستانی صرف پندرہ فیصد ہیں۔ باقی عیسائی، یہودی اور ہندو ہیں۔ یہاں نہ پاکستان کا قانون ہے اور نہ ہی پاکستانی کرنسی کی کوئی قیمت ہے۔"

مولانا نے کہا۔" ہاں، جب ۱۹۹۵ میں پاکستان کے محب وطن دانشور اور اخبارات یہ کہتے تھے کہ گوادر فروخت کیا جارہا ہے۔ تو مفاد پرست سیاستدان اس حقیقت پر پردہ ڈالتے رہے اور اپنے حال میں مست رہنے والے عوام اتنے اہم معاملے کو نظر انداز کرتے رہے۔ یہ سیاست کسی کی سمجھ میں نہیں آئی کہ پاکستان کے ٹکڑے کیئے گئے۔ پھر بار بار ٹکڑے کرنے سے عوام کے بپھر جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے مکران کا ساحلی علاقہ بیچ دیا گیا۔ عوام سے جھوٹ کہا گیا کہ وہ علاقہ پٹے پر دیا گیا ہے، واپس لے لیا جائے گا۔ کبریا نے ہنستے ہوئے کہا۔" وہ واپس لینے والے سیاستدان نہیں رہے رفتہ رفتہ بھید کھلا کہ اس علاقہ میں نہ پاکستانی قانون ہوگا اور نہ ہی اسلامی طرز پر زندگی گزارنے کی اجازت

ہوگی۔ اگر پچھلی صدی کے پاکستانی زندہ ہوں تو ان کی گردنیں شرم سے جھک رہی ہوں گی"

مولانا عبدالحق نے کہا۔" میں بھی پچھلی صدی کا پاکستانی ہوں۔ جب یہ علاقہ فروخت کیا جارہا تھا۔ تب میں پچیس برس کا تھا۔ نماز سے قبل اپنے وعظ میں کہتا تھا۔ مسلمانوں خواب غفلت سے جاگو۔ گوادر کے راستے ہندو اور یہودی تہذیب امپورٹ کی جانے والی ہے۔ لیکن افسوس کہ تیرہ کروڑ پاکستانیوں کو اپنے عیار سیاستدانوں سے نمٹنا نہیں آتا تھا۔ ان کی بد نصیبی یہ تھی کہ اس دور میں کوئی محب وطن رہنما نہیں تھا۔ جو عوام میں ہر دلعزیز ہوتا۔

کار مسجد کے سامنے رک گئی۔ عبدالحق نے ڈرائیور سے کہا۔" یہ جوان جہاں جانا چاہے اسے وہاں پہنچا دو"۔

کریا نے کہا۔" میں پہلے آپ کو حجرے میں پہنچاؤں گا۔ پھر جاؤں گا۔ وہ کار سے اتر کر مولانا کے ساتھ جانے لگا اس نے میئر کے خیالات پڑھ لئے تھے۔ وہ مولانا کو کسی نہ کسی طرح بدنام کرنے یا اس شہر سے بھگانے کی فکر میں تھا۔ اس نے فون کے ذریعے ایک افسر کو حکم دیا تھا کہ مولوی کے مسجد پہنچنے سے پہلے کسی حسینہ کو حجرے میں پہنچا دیا جائے۔ اور ایک حسینہ حجرے کے بند دروازے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ مولانا کو دیکھتے ہی بولی۔" ہائے کب سے انتظار کررہی ہوں۔ کہاں رہ گئے تھے جانی؟"

کبریا اس کے اندر پہنچ گیا۔ وہ اچانک حجرے کی دیوار سے سر ٹکرا کر بولی۔ "میں بہت گناہ گار ہوں آپ جیسے فرشتے کو شیطان بنانے آئی تھی۔ نہیں نہیں میں ایسا نہیں کروں گی۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر دور بھاگتی چلی گئی۔ مولانا کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں اسے دیکھنے لگیں۔ وہ سوچنے لگا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ آج تک کسی ولی اللہ کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہوا مصائب میں مبتلا رہے۔ لیکن قدرت کی طرف سے ان کی ہر مصیبت کو دور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو طرح طرح کی مشکل آزمائشوں سے گزارتا ہے۔ اس طرح ان نیک بندوں کے ثابت قدم رکھنے سے دوسرے بندوں میں ایمانی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ لیکن میرے ساتھ معاملہ برعکس ہے۔ قدرت قدم قدم پر میرا ساتھ دے رہی ہے۔ اور دشمنوں کو منہ توڑ جواب مل رہا ہے۔"

ایسا سوچتے وقت یاد آیا کہ جب وہ بیٹی کے اغوا کی خبر سن کر دل برداشتہ ہوگیا تھا۔ تب اس کے دماغ میں قدرتی طور پر ایک آواز ابھری تھی اس آواز نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ لیکن اس آواز کو چھینک آئی تھی۔ اگر کوئی فرشتہ بول رہا تھا تو کیا فرشتوں کو بھی چھینکیں آیا کرتی ہیں؟

اسی وقت کبریا کو چھینک آئی آنک چھیں۔۔۔"

مولانا عبدالحق نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ منہ کے سامنے ہاتھ رکھ کر

چھینک رہا تھا۔ وہاں اس وقت شرارت کرنے والا بابر نہیں تھا۔ یونہی بے اختیار چھینکنے لگا تھا۔ عبدالحق نے کہا۔" میں چھینکنے کی بات سوچ رہا تھا اور تم چھینکنے لگے میں ایک عجیب الجھن میں ہوں۔"

کیسی الجھن؟"

فرشتوں کو دکھ بیماریاں نہیں ہوتیں۔ ان کے اتھ کوئی انسانی مسئلہ نہیں ہوتا۔ وہ ہماری تمہاری طرح چھینکتے نہیں ہیں۔ لیکن میں نے اپنے دماغ میں چھینکنے کی آواز سنی تھی۔"

"کیا آپ کے دماغ میں کوئی چھینکنے والا فرشتہ رہتا ہے۔"

"رہتا نہیں ہے، کبھی کبھی آتا ہے ایک بار اسے چھینک آئی تھی۔ میں پچھلی شام سے الجھن میں ہوں۔ اب میرا ذہن کہہ رہا ہے کہ وہ کوئی فرشتہ نہیں انسان ہے۔ اب اسکی آواز سنائی دے گی تو اس سے پوچھوں گا۔" اسے اپنے اندر آواز سنائی دی۔"

مولانا! آپ کیا پوچھیں گے؟"

مولانا نے کہا۔" کمال ہے، تمہارا ذکر ہوتے ہی آگئے برادر! میرے ایک سوال کا جواب دو، کیا تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو؟"

"جانتا ہوں"

اسی لئے آپ کے اندر بول رہا ہوں؟"

آپ کو یہاں عیاش اور گناہ گار ثابت کر کے، آپ کو بدنام کرنے اور ذلیل کر کے بھگانے کی سازش کی جا رہی ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کس طرح ان سازشوں کو ناکام بناتا آرہا ہوں۔"

"خدا تمہیں اور زیادہ نیکیوں کی توفیق دے۔ تم ہمیشہ سلامت رہو۔ میری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔"

"نہیں مولانا صاحب! آپ کو اپنی عمر جینا چاہیئے اور اس شہر ظلمات میں ایمان کو روشن رکھنے کے لئے جدوجہد کرتے رہنا چاہیئے۔"

"برادر! تم کون ہو؟"

"ایک اجنبی مسلمان ہوں۔ نام بتاؤں گا، تب بھی اجنبی رہوں گا۔ کیونکہ آپ سے دور رہ کر ہی آپ کے کام آسکوں گا، دشمنوں کو میری خیال خوانی کا علم ہوگا تو وہ چھپ کر گولی مار دیں گے۔"

"ٹھیک ہے برادر! تم کو چھپ کر ہی رہنا چاہئیے۔ لیکن یہ بتاؤ کیا پھر کوئی چڑیل میرے حجرے میں آئے گی؟"

"چڑیل دنیا کے ہر کنوارے کا پیچھا کرتی ہیں۔"

"میں کنوارا نہیں ہوں۔"

"بیوی کی وفات کے بعد مرد پھر سے کنوارا ہو جاتا ہے۔ پرائی عورتوں سے پیچھا چھڑانے کا موثر عمل یہ ہے کہ فوراً کسی نیک خاتون سے شادی کر لیں۔"

"میں بیوی کے لئے نہیں۔اپنے دین کے لئے دن رات صرف کرنا چاہتا ہوں۔ اب سوچتا ہوں تم ہمیشہ میرے پاس نہیں رہ سکتے تمہاری عدم موجودگی میں دشمنوں نے سازش کی تو کیا ہوگا؟"

آپ ایسے وقت برداشت کریں گے۔ میرا انتظار کریں گے۔ میں آپ کے پاس آنے کے بعد ہی ان کی کسی کاروائی کا جواب دے سکوں گا

اچھا اب میں جاتا ہوں۔"

پھر کبریا نے دماغی طور پر حاضر ہوکر کہا۔" اچھا مولانا! اب میں جاتا ہوں۔"

وہ بھی جارہا ہے۔ تم بھی جارہے ہو۔"

وہی جسے فرشتہ سمجھ رہا تھا۔ویسے وہ اانسان ہونے کے باوجود فرشتہ ہے ٹیلی پیتھی کے ذریعے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دے رہا ہے۔"

"یہ اچھا ہے کہ وہ آپ کے دشمنوں سے لڑتا رہے۔ اور میں آپ کی صاحبزادی کو تلاش کرتا رہوں۔ لیکن کیسے تلاش کروں؟ میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔"

"آہ! پتہ نہیں میراں کہاں ہوگی؟ کس حال میں ہوگی۔"

ماسٹر اورے گا کو یہ رپورٹ ملتی رہی تھی کہ میراں کو جس ایمبولینس کے پچھلے حصے میں لایا جارہا ہے۔ اس حصے میں عجیب طرح کی ناقابل فہم واردات ہو رہی ہیں۔ پھر اس ایمبولینس کو عمارت کے بیسمنٹ کے گیراج میں لایا گیا۔ اور اس کے پچھلے حصے کو کھولا گیا تو پھر ایک ساتھی کی لاش ملی۔ جبکہ وہاں اسے ہلاک کرنے والا کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اور میراں اب تک بے ہوش پڑی تھی۔ ماسٹر اورے گا بیسمنٹ کی خفیہ رہائش گاہ سے نکل کر آیا۔ اس لاش پر ایک نظر ڈال کر میراں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے دو ماتحت اسے اسٹریچر پر گاڑی سے باہر لائے۔ اس نے میراں کی کلائی تھام کر نبض کی رفتار معلوم کی۔ وہ واقعی بے ہوش تھی۔ اس نے حکم دیا۔ "اسے میرے بیڈروم میں پہنچا دو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی اسے بیڈروم میں لاکر اسٹریچر سے بیڈ پر منتقل کر دیا گیا۔ ماتحت چلے گئے۔ اورے گا نے موبائل فون کے ذریعے اپنے باس سے رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ "باس! تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کو رپورٹ دی تھی کہ میرے دو آدمی پراسرار طریقے سے مارے گئے ہیں۔ ان دونوں کے بعد میرے تیسرے ماتحت نے ایمبولینس کے پچھلے حصے میں سفر کیا تھا۔ وہ بھی یہاں پہنچ کر مردہ پایا گیا۔ جبکہ میں دیکھ رہا ہوں میراں ابھی تک بے ہوش ہے۔"

باس نے کہا۔ "تم ناقابل فہم بات کہہ رہے ہو۔ کوئی قاتل نہ ہو اور تین بندے مارے جائیں تو پھر یہ جادو نگری ہوتی ہے۔

کیا میراں پر ایک فیصد بھی شبہ کیا جاسکتا ہے؟"

"نہیں باس! میراں ایسی شہ زور نہیں ہے کہ ایک صحت مند مرد کی گردن کی ہڈی توڑ دے۔"

"ہوں، اس حسینہ کے ساتھ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ جب تک اس سے تعلق رکھنے والی ناقابل فہم باتیں سمجھ میں نہ آئیں، اسے اپنی قید میں رکھو۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد کوئی اہم بات معلوم ہو تو مجھ سے رابطہ کرو۔"

باس نے رابطہ ختم کردیا۔ اورے گا نے اسے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر ناکام رہا تھا۔ باس نے اپنا موبائل فون اورے گا کے نام سے لیا ہوا تھا۔ اگر وہ باس کے نام ہوتا تو اورے گا کو اس کا نام اور پتہ معلوم ہوجاتا۔

اسے میراں کی کراہ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ہولے ہولے کسمسا رہی تھی۔ ایسی حالت میں اور زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ یہ ایک فطری سی بات ہے کہ حسین عورتیں مشکل میں ہوں، مصیبت میں ہوں اور بےچاری سی لگ رہی ہوں تو ان میں اور زیادہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر وہ باس کی امانت نہ ہوتی، کسی اور کی ہوتی تو وہ امانت میں خیانت ضرور کرتا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چھت کو دیکھتی ہوئی سوچنے لگی کہ کہاں تھی اور اب کہاں ہے؟ اس نے کمرے پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے سر گھما کر دیکھا۔ اسے ایک قد آور پہاڑ

جیسا شخص نظر آیا۔ اس کا چہرہ اور اس کی سرخ آنکھیں بتا رہی تھیں
کہ وہ بہت ہی ظالم اور سفاک ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔"
کون ہو تم؟ میں یہاں کیسے آگئی؟ اور وہ۔ وہ میری گورنس میلی موس
کہاں ہے؟ تمہاری اس گورنس کو دوسری دنیا میں ٹرانسفر کر دیا گیا ہے"
"جھوٹ بولتے ہو وہ زندہ ہے۔"

"رفتہ رفتہ یقین آجائے گا کہ جو میری راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، میں
اسے ایک چٹکی میں مسل دیتا ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولی۔" پتہ نہیں وہ کیسا جوس تھا۔ سر
بھاری لگ رہا ہے۔ میں بیمار سی ہو گئی ہوں۔"

"میں نے پہلے ہی تمہارے لئے دودھ اور تازہ پھلوں کا انتظام کیا ہے۔
میرے ماتحت نے تمہارے جوس میں مقدار سے زیادہ دوا ملادی تھی۔
بہر حال ابھی توانائی محسوس کرو گی۔ فریج میں بہت کچھ رکھا ہے۔"

اس نے فریج کو کھولا۔ ایک بڑے سے گلاس میں دودھ لیا۔ ایک چھوٹی
سی ٹرے میں پھل رکھے۔ پھر اس کے پاس پلنگ کے سرہانے والی
والی میز پر رکھ کر بولا۔" تم اس طرح لائے جانے پر بہت کچھ بولنا
چاہتی ہو۔ مگر توانائی حاصل کرو گی تو کچھ بول پاؤ گی۔"

وہ کسی انجانی جگہ کسی اجنبی بدمعاش کی پیش کی ہوئی کوئی چیز بھی

تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی بے ہوش تھیں۔ لیکن
ان تین آدمیوں کو کس نے قتل کیا تھا، جو تمہارے ساتھ ایمبولینس

کے پچھلے حصے میں تھے؟"

"کیا؟" وہ حیرانی اور پریشانی سے بولی"

"جہاں تین بندے قتل کئے گئے، وہاں میں محفوظ رہی؟ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

وہ تشویش میں مبتلا تھی۔ وہ میراں کی معصومیت کو سمجھ رہا تھا۔ لیکن تین ماتحتوں کے قتل کا معمہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے کہا اگر تم بلیک میجک یعنی کالا جادو جانتی ہو۔ یا تمہارا مولوی باپ جانتا ہے تو مجھ سے نہ چھپاؤ۔"

"ہم مسلمان ہیں، کالے جادو پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

اس نے دوسرا سیب کھانے کے لئے ٹرے کی جانب دیکھا۔ وہاں پھلوں کے ساتھ ایک آدھا سیب رکھا ہوا تھا۔ اسے دانتوں سے اس طرح کترا گیا تھا، جیسے کسی نے کھایا ہو وہ حیرانی سے بولی۔" میں نے پورا ایک سیب کھایا ہے۔ لیکن یہ آدھا کھایا ہوا سیب کہاں سے آگیا۔ جبکہ تم ادھر کھڑے ہو اور تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔"

ماسٹر اورے گا نے قریب آکر اس آدھے سیب کو اٹھایا پھر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔"فریج میں ایک بھی جھوٹا پھل نہیں تھا۔ میں نے ابھی اپنے ہاتھوں سے پھل نکال کر تمہیں دیئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ابھی کسی نے یہ اٹھا کر کھایا ہے۔ اور یہ بچکانہ سی

بات بھی بچکانہ ہے کہ ہمارے تین آدمی مارے گئے اور قاتل موجود نہیں تھا۔

دیکھو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، مجھے صاف صاف بتا دو اگر تم وچ لیڈی (جادوگرنی) ہو تو میں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ تمہیں چھوڑ دوں گا۔ یا تمہارے باپ کے پاس تمہیں پہنچا دوں گا۔ وہ خاموش تھی۔ سوچتی ہوئی نظروں سے اورے گا کے ہاتھ میں آدھے سیب کو دیکھ رہی تھی۔

اورے گا کی سمجھ میں آیا کہ وہ جادوگرنی ہونے کا اقرار کرنے سے پہلے سوچ رہی ہے۔

ذرا فاصلے پر ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔

اورے گا اطمینان سے بیٹھ کر اسے سمجھانے کے لئے وہ کرسی اٹھا کر لایا۔ اسے پلنگ کے پاس رکھ کر جیسے ہی بیٹھنے لگا، کرسی آپ ہی آپ پیچھے سرک گئی۔

وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ دھڑام سے فرش پر گر کر چاروں شانے چت ہوگیا۔ پھر تو توہین کے احساس سے وہ پھٹ پڑا۔ فرش پر سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

میراں کو گھونسا دکھا کر بولا۔" وچ لیڈی (چڑیل) میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو خاموشی سے جادو کر رہی ہے۔ مگر بظاہر معصوم بنی ہوئی ہے۔"

وہ غصہ سے بولی۔" یو شٹ اپ۔ ایک تو مجھے زبردستی یہاں لے آئے ہو۔ اوپر سے رعب دکھا رہے ہو۔ کہتے ہو، مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے آخر مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ مجھے یہاں لاکر کون سی دولت کما رہے ہو؟

" ارے دولت کیا خاک کمائیں گے۔ تم تو اغوا ہوتے ہی دہشت زدہ کرنے والے تماشے دکھا رہی ہو۔" میراں کے دماغ نے کہا۔" جب یہ دہشت زدہ ہو رہا ہے تو پھر یہی کرو۔ اسے اور خوفزدہ کرو۔"

وہ بولی۔" ہاں دہشت زدہ کر رہی ہوں۔ تمہیں سنبھلنے کا موقع دے رہی ہوں۔ تاکہ تمہاری کھوپڑی میں یہ بات آسکے کہ تین لاشوں کے بعد چوتھی لاش تمہاری ہو سکتی ہے۔"

وہ فوراً ہی ایک قدم پیچھے چلا گیا۔ اسے گھورنے لگا۔ عموماً غصہ سے گھور کر دیکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ بے بسی سے دور جاکر گھور رہا تھا۔ پھر وہ اٹک اٹک کر بولا۔" تم۔ تم۔ ایمبولینس میں بے ہوش نہیں تھیں۔ وہ تین بندے۔ تت۔ تم نے مارے ہیں؟ کیا مار کر دکھاؤں؟" وہ ایک دم سے ڈرنے کے انداز میں پیچھے کرسی پر بیٹھ گیا پھر بولا۔" خبر۔ خبر خبردار میرے قریب نہ آنا۔"

وہ خوش ہوگئی۔ مطمئن ہوگئی کہ اغوا کرنے والا بری نیت سے قریب

نہیں آئے گا۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ یہ ابھی ہوا کیا تھا؟ سیب آدھا کھایا ہوا اور وہ کرسی آپ ہی آپ پیچھے ہٹ گئی تھی جیسے کسی نے ہٹایا ہو۔ جیسے یہاں کوئی موجود ہو۔ وہ سر گھما کر کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور اورے گا نے سوچا۔ یہ خاموشی سے منتر پڑھ رہی ہے۔ پھر کسی بدروح کو کمرے میں بلا رہی ہے؟

اس نے فوراً ہی موبائل فون جیب سے نکال کر باس سے رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ "باس! خطرہ ہے۔ شاید میں بھی لاش بن جاؤں گا۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"سچ کہتا ہوں۔ یہ میرے سامنے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ میں اس کے قریب نہ جاؤں۔"

"اور تمہارے جیسا شیر نر اتنا بزدل ہوگیا ہے کہ اس کے قریب نہیں جارہا ہے۔"

"میں نے ابھی جو تماشے دیکھے ہیں وہ آپ دیکھ لیتے تو اس کے قدموں میں گر پڑتے۔ ابھی کسی نے ایک سیب اٹھا کر کھالیا پھر میں کرسی پر بیٹھنے والا تھا۔ کسی نے میرے نیچے سے کرسی ہٹا دی۔ یہ کہتی ہے کہ مجھے سنبھلنے کا موقع دے رہی ہے۔ اگر میں قریب جاؤں گا تو تیسرے کے بعد چوتھی لاش میری ہوگی۔"

"کیا تم نے سیب کھانے والے کو اور کرسی کھینچنے والے کو نہیں دیکھا۔"

"میری دو کیا دو ہزار آنکھیں ہوتیں، تب بھی نہیں دیکھ پاتا۔ وہ چھپ رہ کر منتر پڑھتی رہتی ہے اور بدروح بلاتی رہتی ہے۔"

"وہاٹ نانسنس۔ یہ اکیسویں صدی ہے۔ اور تم بیسویں صدی کی جادو ٹونے والی باتیں کررہے ہو؟"

آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ آپ اپنا پتہ بتائیں یہ خود آپ کے پاس چلی آئے گی"

"کیا وہ بیوقوف یا پاگل ہے کہ میرے پاس پھنسنے خود آئے گی۔"

"یہ میرے اس خفیہ اڈے میں بھی اپنی مرضی سے آئی ہے اور ہم خوش تھے کہ اسے اغوا کرکے لارہے ہیں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

وہی جو سن چکا ہوں اس نے خود کہا ہے کہ یہ ایمبولینس کے پچھلے حصے میں ہمارے تین بندے مار چکی ہے۔"

"اسے فون دو۔ میں بات کرنا چاہتا ہوں"

وہ میراں کو دیکھ کر بولا۔" بات کروگی؟ میرا باس تم سے بات کرنا چاہتا ہے اگر بہتر سمجھو تو اس کا پتہ پوچھ کر اس کے پاس بھی جاؤ۔ یہ مجھے بزدلی کا طعنہ دے رہا ہے۔"

"فون وہیں سے پھینکو۔ قریب آؤ گے تو دور جانے کے قابل نہیں رہو گے"

وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے دور سے فون کو اس کی طرف اچھالنا چاہا تھا۔ اس سے پہلے ہی وہ فون اس کے ہاتھ سے نکل کر کمرے کے خلاء میں معلق ہوگیا۔ اور اورے گا کی طرح میراں نے بھی حیرانی سے دیکھا۔ وہ فضا میں آہستہ آہستہ تیرتا ہوا میراں کے پاس آکر فضا میں ٹھہر گیا۔

وہ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لئے جادوگرنی بن گئی تھی۔

مگر خود اندر سے خوف زدہ تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ ہاتھ اٹھا کر اس معلق فون کو پکڑ لیتی۔ پھر وہ خود ہی اس کی گود میں آگرا۔

وہ اورے گا کے سامنے اپنے خوف کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے ہمت کر کے فون اٹھا لیا۔ ادھر ادھر نظریں گھما کر دیکھنے لگی اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے بالکل قریب ہو۔

بابر نے اس فون کا بٹن پہلے آف کیا۔ اس طرح باس کا رابطہ ختم ہوگیا۔ پھر اس نے فون کو آن کیا۔ جب میراں نے اسے کان سے لگایا تو بابر نے اس کے کان کے بالکل قریب دھیمی آواز میں کہا۔ "ہیلو میراں! تم نے مجھے پہچانا۔؟"

اس نے فون کو کان سے ہٹا کر پھر سر گھما کر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے کان کے قریب آکر کہا ہو اور وہ آواز فون سے نہ آئی ہو۔"

اس نے پھر اسے کان سے لگا کر پوچھا۔ "ہیلو تم کون ہوں۔؟"

"کیا خوب تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں ہوں تمہارا لاہور والا۔ بچپن کا

دوست۔ میں نے ڈھائی گھنٹے پہلے وی آئی پی کلب میں فون کر کے بتایا تھا کہ تمہارے لئے خطرہ ہے۔"

"ہاں یاد آیا۔ تم نے درست کہا تھا۔ میں اس وقت ایک دشمن کے خفیہ اڈے میں ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری مدد کے لئے آرہا ہوں۔ دشمن سے وہاں کا پتہ پوچھ کر بتاؤ۔"

وہ اورے گا سے بولی۔" یہاں کا پتہ بتاؤ۔"

اس نے کہا۔" باس کو یہاں کا پتہ معلوم ہے۔"

"فون پر تمہارا باس نہیں میرا ایک شناسا بات کر رہا ہے۔"

"لیکن ابھی تو میرا باس بول رہا تھا۔"

میراں نے تعجب سے سوچا۔ پھر فون پر پوچھا۔" ہیلو ابھی اس لائن پر اورے گا کا باس بول رہا تھا۔ پھر تم اس لائن پر کیسے آ گئے۔؟"

بابر نے کہا۔" میں نے اپنے فون پر نمبر ڈائل کئے۔ مجھے شبہ تھا کہ تمہیں اورے گا کے پاس پہنچایا گیا ہے۔ میں اس کا فون نمبر جانتا ہوں۔ لہٰذا نمبر ڈائل کرتے ہی تم سے بات ہو گئی۔"

"کیسے ہو گئی جبکہ اس لائن پر پہلے کوئی دوسرا تھا؟"

"تم مجھ سے ایسے پوچھ رہی ہو جیسے میں کوئی ٹیلیفون کے محکمے سے تعلق رکھتا ہوں۔ تم وہاں سے نکلنے کے لئے میری مدد چاہتی ہو یا نہیں؟"

"ضرور چاہتی ہوں۔ میلی موس کی موت کے بعد تنہا رہ گئی ہوں اپنے بابا تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ تم آجاؤ۔ خدا کی بندی پتہ تو بتاؤ"

میراں نے اورے گا سے کہا۔ "پتہ بتاؤ۔"

قاسم سردار پلازہ کے بیسمنٹ میں میری یہ رہائش گاہ ہے۔"

وہ بولی۔ "قاسم سردار پلازہ کے بیسمنٹ میں چلے آؤ۔"

"اورے گا سے کہو۔ ابھی کمرے سے باہر جائے اوراپنے آدمیوں کو حکم دے کہ اب سے آدھے گھنٹے تک بیسمنٹ کا گیٹ کھلا رکھے میں آرہا ہوں۔"

"تم آدھے گھنٹے میں آجاؤ گے؟"

"پانچ دس منٹ لیٹ ہوسکتا ہوں۔ مگر آرہا ہوں۔ ایک بات یاد رکھو میرا چہرہ نقاب میں رہے گا۔ میں تمام رات نقاب پہنتا ہوں۔ صبح تم مجھے دیکھ سکو گی۔ خدا حافظ۔"

میراں نے فون بند کر کے کہا۔ "اس کمرے سے باہر چلو۔ اپنے آدمیوں کو بیسمنٹ کا گیٹ کھلا رکھنے کا کہو۔ کم آن۔"

وہ پلنگ سے اترنے لگی۔ اورے گا اس سے دور رہنے کے لئے فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ اس کے پیچھے بابر آیا۔ بابر کے پیچھے میراں تھی۔ اور وہ دونوں اسے اپنے درمیان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اورے گا نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "وہ سلائیڈنگ گیٹ کھول دو۔ جب تک

میراں کا ملاقاتی نہ آئے اسے کھلا رکھو۔"

سلائیڈنگ گیٹ کو جیسے ہی کھولا گیا۔ بابر وہاں سے باہر آگیا تیزی سے دوڑتا ہوا اس پلازہ کے پیچھے ایک بنگلے میں آیا وہاں ایک میاں بیوی تھے۔ بستر سے پہلے رومانس میں مصروف تھے بابر نے بیڈ روم میں پہنچ کر انھیں دیکھا۔ پھر باتھ روم کا دروازہ کھول کر ایک نلکے کو کھول دیا۔ پھر شاور کو بھی کھول دیا۔ میاں بیوی نے پانی گرنے کی آواز سنی۔ تیزی سے چلتے ہوئے باتھ روم کے دروازے پر آئے۔ بیوی نے حیرانی سے پوچھا۔"یہ آپ ہی آپ پانی کیسے بہنے لگا ہے؟ وہ بڑبڑاتا ہوا اندر آیا۔ پہلے اس نے نلکے کو بند کیا۔ پھر شاور کے پاس آکر رومانٹک ہوگیا۔ بیوی کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔" آؤ ڈارلنگ! شاور کی برسات میں ساون کا پیار تازہ کریں۔" وہ مسکراتی ہوئی اندر آکر دروازہ بند کرنا چاہتی تھی اس سے پہلے بابر باتھ روم سے باہر آگیا۔ ساون کے پیاسوں نے دروازہ بند کرلیا۔ بابر نے آگے بڑھ کر الماری کھولی اس میں سے ایک شرٹ پتلون اور جیکٹ نکالی۔ پہلے پتلون پہنی تو ایک انسان کا نچلا حصہ یعنی دو ٹانگیں نظر آئیں۔ شرٹ اور جیکٹ پہنے سے گردن تک نظر آنے لگا۔ شرٹ کے کالر سے اوپر گردن اور سر غائب تھا۔ اس نے ایک جگہ بیٹھ کر جرابیں پہنیں۔ پھر جوتے پہنے یوں پیروں کے تلے سے کالر تک ظاہری وجود ہوگیا۔ اس نے پھر الماری کھولی خاتون کا ایک باریک ریشم کا سیاہ اسکارف تھا۔ وہ آئینے کے سامنے آکر کالر کے اندر سے سر کے اوپری حصے تک یوں چاروں طرف اسکارف

باندھنے لگا کہ سر سے پیروں تک وجود مکمل ہونے لگا۔ چہرہ اسکارف کے نقاب میں چھپ گیا تھا۔

اس نے ایک ہیٹ پہن کر اسے یوں سامنے جھکا لیا کہ آدھا چہرہ چھپ گیا۔ پلنگ کے سرہانے کی میز پر کار کی چابی رکھی ہوئی تھی اس نے چابی اٹھائی۔ باہر آکر کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا پھر ڈرائیو کرتا ہوا بنگلے کے احاطے سے باہر آکر اس کی رفتار بڑھا دی۔

بیسمینٹ میں میرا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اورے گا فون پر باس سے کہہ رہا تھا۔" میراں ابھی اپنے کسی شناسا کے ساتھ یہاں سے جانے والی ہے۔ کیا حکم ہے۔؟"

"میں میراں سے ملنا چاہتا ہوں لیکن مجھ سے پہلے قاسم سردار اس سے ڈرائیوان سنیما میں ملنا چاہتا ہے۔ وہ سنیما آج بند ہے وہاں ہمارے آدمیوں کی چند کاریں نظر آئیں گی۔ میراں سے پوچھو کیا وہ اپنے ساتھی کے ساتھ وہاں آئے گی؟"

اورے گا نے اس سے پوچھا۔ وہ بولی۔" بابر کو آنے دو۔ میں اس سے مشورہ کرونگی۔"

بیسمنٹ کے کھلے ہوئے گیٹ پر ایک قد آور شخص نظر آیا۔ اس نے کہا۔" میں ہوں بابر! تم کیا مشورہ چاہتی ہو؟"

"اورے گا کا باس ڈرائیوان سنیما میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہاں اس کے کچھ لوگ ہوں گے۔ کیا مجھے جانا چاہئیے؟"

"اس نے شرافت سیکھ لی ہے۔ اب اغوا نہیں کرا رہا ہے۔ بہن یا بیٹی سمجھ کر
بلا رہا ہے۔ چلی چلو۔"

"ٹھیک ہے، میں جا رہی ہوں۔"

اورے گا نے یہی بات فون پر کہہ دی بیسمنٹ کے اس حصے میں ایک کار
کھڑی ہوئی تھی۔ میراں اور بابر اس میں آکر بیٹھ گئے۔ بابر نے کار کمپیوٹر
کو ڈرائیوان سنیما کے راستے فیڈ کیے۔ پھر وہ کار وہاں سے چل پڑی۔

ڈرائیوان میں چھ کاریں ایک دوسرے سے ذرا دور کھڑی ہوئی تھیں ہر
کار کے پاس دو مسلح افراد تھے۔ ایک کار میں قاسم سردار بیٹھا ہوا تھا۔
اس نے کھڑکی سے جھانک کر کھلے میدان میں دور پروجیکشن ہال کی
جانب دیکھا۔ ہال کی بالکونی میں ایک شخص کھڑا تھا۔ وہ ان سب کا باپ
تھا۔ وہ سب اسے باس کہتے تھے۔ اس کے سر کے بال اوپر سے اور دونوں
کنپٹیوں کی طرف سے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ چہرہ چھپا چھپا سا رہتا
تھا۔ ڈاڑھی اور مونچھوں کے باعث چہرے کا نچلا حصہ بھی چھپ جاتا تھا۔
قریب سے ناک دکھائی دیتی تھی۔ پیشانی پر پٹی باندھنے کے باعث
آنکھیں واضح طور سے نظر نہیں آتی تھیں۔ (سرورق ملاحظہ کریں)

قاسم سردار ایک دست راست کی حیثیت سے اس کے قریب جاتا تھا اور
یہ سمجھتا تھا کہ باس اس عارضی حلیے میں رہتا ہے۔ ورنہ اس کا اصلی
روپ کچھ اور ہوگا۔ ایک کار ڈرائیوان کے کھلے میدان میں داخل ہوئی۔
وہ سب الرٹ ہو گئے۔

قاسم سردار اپنی کار سے باہر آگیا۔ آنے والی کار اس کے سامنے دس گز کے فاصلے پر رک گئی۔ میراں اور بابر اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر باہر نکلے وہ سب چند لمحوں تک انھیں دیکھتے رہے پھر وہ بولی۔ "میں ہوں میراں۔ ماسٹر اورے گا کا باس کون ہے؟"

"تم نہ بھی کہتیں تب بھی تمہارا غیر معمولی حسن بتارہا ہے کہ تم میراں ہو اور یہ کون ہے؟ نقاب میں کیوں ہے؟"

بابر نے کہا۔ "اتنے لوگوں میں تم بول رہے ہو۔ شاید تم ہی اورے گا کے باس ہو۔ یہ نہ پوچھو کہ میں نقاب میں کس لئے ہوں۔ ہمارے دین میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہے اس شہر ظلمات میں تمام عورتوں کو بے پردہ دیکھ کر میں شرم سے نقاب پہننے لگا ہوں۔"

"اچھا تو تم مسلمان ہو اور میراں کے باڈی گارڈ ہو؟"

"اتنی حسین باڈی کا میں ہی گارڈ ہو سکتا ہوں اور جب تک گارڈ رہوں گا اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔"

قاسم سردار نے پوچھا۔ "میراں! کیا تم جادو جانتی ہو؟ ہم تمہارا کوئی جادوئی تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"میں پیسہ پھینک تماشہ دیکھ والی لڑکی نہیں ہوں۔ تمہیں کوئی تماشہ نہیں دکھاؤں گی۔ یہ بتاؤ مجھے کس لئے اغوا کیا تھا؟"

"ہیرا اپنی قدر نہیں جانتا جوہری جانتے ہیں۔ یہاں کا میر کسی ایسے

ارب پتی کو تمہارے ذریعہ پھانسنا چاہتا ہے جو اس شہر ویسٹ بے ٹی
کی ترقی کے لئے کروڑوں ڈالر خرچ کرے اور خود میئر کو لاکھوں ڈالر
کا فائدہ پہنچائے۔
فوج کا افسر تمہارے ذریعہ روس اور چین سے اہم فوجی نوعیت کے
معاہدے کرنا چاہتا ہے۔ان سے پہلے ہم تمہیں اٹھا لائے ہیں۔
ہمارے پاس ایسے ارب پتی عیاش ہیں، جو تمہاری خاطر ہمیں ایک ہی
رات میں کروڑ پتی بنادیں گے۔"
بابر نے کہا۔" صاف لفظوں میں کہو کہ عورتوں کے دلال ہو۔ لیکن یہ
حسینہ صرف دیکھنے اور للچانے کے لئے ہے۔ چھونے کے لئے نہیں
ہے۔"
"تمہیں قتل کرنے کے بعد اسے چھو سکیں گے اور اپنے ساتھ لے
جاسکیں گے۔"
اس نے اپنے مسلح ماتحتوں سے کہا۔" دیکھتے کیا ہو اسے گولیوں سے
چھلنی کردو۔"
تمام گنیں سیدھی ہوگئیں۔ حکم کے مطابق تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔

گولیاں کھانے کے بعد جسم بے جان ہوکر گرتا ہے۔ لیکن بابر نے گولیاں چلتے ہی اپنے ٹھوس نادیدہ جسم کو سائے میں تحلیل کرلیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لباس، نقاب اور ہیٹ جسم کے بغیر زمین پر گر پڑے۔ جرابیں اور جوتے بھی وہیں پڑے رہ گئے۔

سب نے منظر حیرانی سے دیکھا۔ ایک گن مین نے قریب جاکر زمین پر پڑے کپڑے اٹھائے۔ انھیں یوں جھاڑنے لگا جیسے ان کے اندر بابر کے سالم وجود کو ڈھونڈ رہا ہو۔ اچانک اس کی گردن ایک مظبوط بازو کے شکنجے میں آگئی۔ وہ سانس لینے کے لئے تڑپنے لگا۔ اس کے ایک ساتھی نے پوچھا۔ "تم نے گردن ٹیڑھی کیوں کی ہے؟ تم ایسے تڑپ رہے ہو، جیسے تکلیف میں ہو۔"

وہ جواب نہ دے سکا، بے جان ہوکر نادیدہ گرفت سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی اس کی گن فضا میں معلق ہوگئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس گن کو تھام رکھا ہو۔ اس ایک گن کا رخ دوسرے تمام گن مین کی جانب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔ چار گن مین گولیاں کھا کر گرے۔ باقی گاڑیوں کے پیچھے جاکر چھپ گئے۔ قاسم سردار پہلے ہی اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ اور گاڑی کو ڈرائیو کرتا ہوا دور لے جارہا تھا۔ اس کے کانوں سے ہیڈ فون لگا ہوا تھا۔ باس اس کے کانوں میں کہہ رہا تھا۔ "بھید کھل چکا ہے۔ میراں جادو نہیں جانتی ہے۔ ایک نادیدہ باڈی گارڈ اس کی حفاظت کررہا ہے۔ فی الحال تم

اپنی جان بچاؤ۔ یہاں سے فوراً جاؤ۔"

قاسم سردار نے کار کمپیوٹر کو اپنی منزل تک کے راستے فیڈ کئے پھر وہ کار پوری رفتار کے ساتھ ڈرائیو ان کے میدان سے باہر جانے لگی۔ میراں، بابر کو ایک نادیدہ انسان بنتے دیکھ کر سکتے میں رہ گئی تھی۔ وہ ایسا عجیب و غریب منظر دیکھ کر اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکی کار کا سہارا لے کر پچھلا دروازہ کھول کر سیٹ پر گر پڑی۔

پانچ گن مین مختلف گاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ بابر نے اپنی گن پھینک دی تھی۔ اگر وہ اسے پکڑا رہتا تو دشمن اندازہ کر لیتے کہ وہ کہاں ہے؟ نشاندہی ہوتے ہی وہ سب اس پر فائرنگ کرتے۔ گن پکڑنے والے ٹھوس جسم کو ضرور گولیاں لگتیں۔ اب وہ نظر نہیں آرہا تھا ایسے میں قاسم سردار فرار ہوگیا تھا۔ وہ لوگ قاسم کو ہی اپنا باس سمجھتے تھے اس کے فرار ہوتے ہی وہ تمام گن مین حوصلہ ہار گئے۔ ایک نے اپنی گن کو دور پھینکتے ہوئے کہا۔ "ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ ہمیں معاف کردو۔ ہمیں جانے دو" دوسرے بھی ہتھیار پھینک کر یہی کہنے لگے جب تمام ہتھیار پھینک دیئے گئے تو انھیں بابر کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ " جاؤ مگر وعدہ کرو کبھی قاسم سردار کے لئے کوئی کام نہیں کروگے۔"

وہ سب کار کے پیچھے سے نکل کر اپنے کان پکڑنے اور توبہ کرنے لگے۔ بابر نے کہا۔ "کمزوروں پر ظلم کرنے کے لئے شہ زوروں کے آلہ کار

نہ بنو۔ ورنہ آئندہ میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔ اب یہاں سے جاؤ۔"

وہ سب ایک ایک گاڑی میں بیٹھ کر بھاگنے لگے۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی ڈرائیوان کا میدان خالی ہوگیا۔ میراں کار کی پچھلی سیٹ پر آنکھیں بند کئے لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی۔" اب تک ایک نادیدہ شخص میری مدد کرتا رہا اور میں حیران ہوتی رہی۔ یہ اپنا نام بابر بتا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا، میرے محلے کا رہنے والا تھا۔ میں بچپن میں اس کے ساتھ کھیلتی تھی لیکن مجھے بابر نام کا کوئی بچہ یاد نہیں آرہا ہے۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ کار چل پڑی تھی۔ وہ فوراً ہی سیٹ پر اٹھکر بیٹھ گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر کار تیز رفتاری سے جارہی تھی۔ کار کے کمپیوٹر میں منزل اور راستے فیڈ کرو ئیے گئے تھے۔

اگرچہ وہ نادیدہ بابر، دوست اور ہمدرد ثابت ہورہا تھا۔ پھر بھی ایک خوف سا تھا۔ جو موجود ہو اور نظر نہ آئے تو ایک دھڑکا سا رہتا ہے کہ پتہ نہیں آگے ہے یا پیچھے سے اچانک دبوچنے والا ہے۔ بابر کی آواز ابھری۔" کیا مجھ سے خوفزدہ ہو۔"

وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔ بابر نے کہا۔" کچھ بولو۔ باتیں کرو۔ باتیں کرتی رہوگی تو خوف دل سے نکلتا رہے گا۔"

"تم۔ تم نظر کیوں نہیں آتے ہو؟"

"میں اپنی مرضی سے نادیدہ نہیں ہوں۔ خدا کو یہی منظور ہے۔"

"اندھیرے میں آس پاس کوئی ہو۔ اور وہ نظر نہ آئے تو ڈر لگتا ہے طرح طرح کے اندیشے جنم لیتے ہیں۔"

"ہوا نظر نہیں آتی۔ کیا ہوا سے ڈر لگتا ہے؟"

"ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں۔ ہوا مہربان ہے۔"

"کیا میں نامہربان ہوں؟ کیا میں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے؟"

"تم نے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور ظالم و سفاک قاتلوں اور دلالوں سے میری عزت بچائی ہے۔ تم بہت اچھے ہو۔"

"اچھا ہوں تو پھر دوستی کرو گی؟"

"جسے میں دیکھ نہیں سکتی۔ صرف آواز سن کر پہچان سکتی ہوں اس سے اندھی دوستی ہوگی۔ میں ہمیشہ اندھی کی طرح تمہیں پکارتی پھروں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کار رک گئی۔ اس نے پوچھا کیا ہوا؟

"ہوا نکل گئی ہے۔ ایک پہیہ بے کار ہوگیا ہے۔"

اسٹیئرنگ سیٹ کے پاس والا دروازہ خود بخود کھل کر بند ہوگیا۔ وہ بھی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"پہیہ تبدیل کرو۔ دشمن تعاقب میں آسکتے ہیں۔"

کار کی ڈگی خود بخود کھلی اور بند ہوگئی۔ بابر نے کہا۔" فاضل پہیہ

نہیں ہے۔ فون کر کے گیراج سے کسی کو بلانا ہوگا۔"

ایسے تو بہت دیر ہو جائے گی۔"

"تمہارے دائیں طرف کچھ فاصلے پر ٹیوب ریلوے اسٹیشن ہے۔ ہم زیر زمین ریل گاڑی کے ذریعہ تمہارے بنگلے تک پہنچ جائیں گے۔"

"میرا بنگلہ؟"

"ہاں وہی بنگلہ جہاں تمہاری ملاقات گورنس میلی موس سے ہوئی تھی۔"

"تم کیسے جانتے ہو؟"

"جب سے تم نے اس شہر میں قدم رکھا ہے۔ میں قدم قدم پر تمہارے ساتھ رہا ہوں۔ میلی موس بہت مکار تھی۔ تمہیں گناہوں کے راستے پر لے جارہی تھی۔ وہ گناہوں کی نگری میں میڈم کہلاتی تھی۔ آؤ ہم ٹیوب اسٹیشن چلیں۔

وہ آگے بڑھی پھر رک کر بولی۔ "میں تو بھول ہی گئی تھی۔ تم لباس پہننے سے نظر آتے ہو۔ لباس جسم سے اتر جائے تو نظر نہیں آتے۔"

"ہاں یہی بات ہے۔ ابھی میرے جسم پر لباس نہیں ہے۔ اس لئے میں نظر نہیں آرہا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ۔ کہ۔۔۔" وہ منہ پھیر کر بولی۔ "تم ابھی بے لباس ہو تم نے کچھ نہیں پہنا ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "میں تو نظر نہیں آرہا ہوں۔ منہ کیوں پھیر رہی ہو"

"حقیقت نظر نہ آئے تو کیا وہ حقیقت نہیں رہتی؟ مجھ سے دور دور رہو خبردار میرے قریب نہ آنا۔"

"میراں ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھی ٹیوب اسٹیشن کی طرف جانے لگی انسانی نفسیات عجیب ہے، جو تجسس آمیز سچائی نظر نہیں آتی، وہ تصور میں جھلکنے لگتی ہے۔

وہ شرما رہی تھی۔ آنچل سے منہ چھپا رہی تھی۔ اور ٹیوب اسٹیشن کی طرف چلی جا رہی تھی۔

ٹی وی اسکرین پر باس نظر آرہا تھا۔ اس کے سر کے بے ترتیب بالوں کے اور ڈاڑھی مونچھوں کے پیچھے اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ وہ ٹی وی کے سامنے کھڑے ہوئے قاسم سردار سے پوچھ رہا تھا۔ "میراں کیسی لگی؟"

"باس! آپ اس سے بہت دور تھے۔ میں نے قریب سے دیکھا ہے۔ سچ کہتا ہوں آج سے پہلے ایسا حسن و شباب پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اور شاید میراں کے بعد ایسا دوسرا شاہکار کبھی پیدا نہیں ہوگا۔ اب تک وہ میرے دل و دماغ میں سمائی ہوئی ہے۔"

باس نے کہا۔ "میں اس سے بہت دور تھا۔ مگر دور بین اس کے قریب لے گئی تھی۔ بے شک وہ ایسا شاہکار ہے، جس نے میرے اندر ہلچل پیدا کر دی ہے۔ میں آج تک حسین سے حسین عورت کو صرف کاروباری ترقیوں کا ذریعہ بناتا رہا۔ کبھی میرا دل کسی پر مائل نہیں ہوا

مگر وہ خوبصورت بلا میرے سر میں سما رہی ہے۔ میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لا کر جی بھر کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر دیکھنے کے بعد پتہ نہیں کیا ہوگا۔؟

"وہ عذاب ہو گا جو نظر نہیں آتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کون ہے؟ اور کیسے نادیدہ ہو گیا ہے؟"

"جب وہ گرفت میں آئے گا تو اس کے نادیدہ ہونے کا راز کھل جائے گا اسے اپنے قابو میں کرنا مشکل ہے۔ مگر ناممکن نہیں ہے۔ تم اور ماسٹر اورے گا اسے گرفتار کرو گے۔"

"جب وہ نظر نہیں آئے گا تو ہم کیسے گرفتار کریں گے؟"

"ذرا عقل سے سوچو۔ اس کے جسم پر لباس ہو تو وہ نظر آتا ہے۔ یعنی اس کے جسم کے کسی بھی حصے پر کوئی بھی چیز آجائے تو وہ حصہ نظر آنے لگے گا۔"

"جی ہاں۔ اس طرح وہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہمارے اطراف کہاں موجود ہے۔"

"اب سوچو کہ تم اس پر سفید رنگ اسپرے کرو گے تو جہاں جہاں وہ رنگ پڑے گا، جسم کے وہ حصے نظر آتے جائیں گے۔"

"بس باس! ایسے طریقہ کار سے اسے گھیرنا اور گرفت میں لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔"

مجھے ہر حال میں میراں چاہیئے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے اس نادیدہ کو دیکھتے ہی گولی مار دو۔"

"آل رائٹ باس! ہم اس رکاوٹ کو ہٹا کر ہی میراں کو خفیہ اڈے میں پہنچائیں گے۔"

"خفیہ اڈے میں نہیں، ہمارے بیڈ روم میں۔"

یہ کہتے ہی وہ ٹی وی اسکرین سے غائب ہو گیا۔ قاسم سردار نے فون پر رابطہ کیا۔ پھر پوچھا۔ "کیا وہ تمہاری نظروں میں ہے؟"

"یس باس! میں تعاقب کر رہا ہوں اس کی کار کا ایک پہیہ پنکچر ہو گیا ہے۔ وہ کار وہیں چھوڑ کر ٹیوب اسٹیشن کی طرف جا رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے اسے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ میں پندرہ منٹ بعد پھر رابطہ کروں گا۔"

پھر اس نے ٹی وی ٹیلیفون کے ذریعہ رابطہ کیا۔ اسکرین پر اورے گا نظر آیا۔ اس نے کہا۔ "یس باس!"

قاسم سردار نے کہا۔ "ماسٹر اورے گا! یہ راز کھل گیا ہے کہ میراں کا ایک نادیدہ مددگار ہے۔ اس نادیدہ شخص نے ایمبولینس کے پچھلے حصے میں تمہارے تین آدمیوں کو قتل کیا تھا۔"

"یس باس! کوئی نادیدہ ہی ایسی حرکتیں کر سکتا ہے۔ جیسی کہ وہ میرے ساتھ کرتا رہا تھا۔ اس نظر نہ آنے والے کو میں زندہ نہیں

چھوڑوں گا۔کیا نیراں آپ کے پاس ہے؟"وہ آزاد ہے۔ اس نادیدہ شخص کے ساتھ ہے۔ مجھے ان کے بارے میں رپورٹ مل رہی ہے۔ تم اپنے مسلح افراد کے ساتھ اسے گرفتار کر سکتے ہو۔ مگر باس کا حکم ہے کہ اسے دیکھتے ہی گولی مار دی جائے۔"

وہ اورے گا کو بتانے لگا کہ کس طرح اس نادیدہ شخص کو دیکھنے کے لئے سفید رنگ اس پر اسپرے کرنا ہوگا۔ ایسے طریقہ کار سے وہ چھپ نہیں پائے گا۔

جب سے وہ باپ بیٹی اس شہر میں داخل ہوئے تھے۔ تب سے اس شہر کے شہ زوروں کے لئے مسئلہ بنے ہوئے تھے۔ میراں کو کوئی اب تک ہاتھ نہیں لگا سکا تھا۔ اور مولانا عبدالحق کو عیاش اور گناہگار ثابت کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔

اس شہر کے اکابرین جو طاقت اور دولت کے نشے میں چور تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک نہتا مولوی اور ایک نازک اندام حسینہ بے یارومددگار نظر آئیں گے۔ مگر نادیدہ قوتوں سے مالامال ہوں گے۔ نادیدہ قوتوں کی حقیقت معلوم ہوگئی تھی۔ شہر کا میئر وہاں کے چند اکابرین سے کہہ رہا تھا۔"فوجی افسر بری طرح زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا ہے۔ جن حسین عورتوں کو گناہ کا کھیل رچانے اور مولوی کو بدنام کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ ان میں سے دو مر چکی ہیں۔ باقی بری طرح خوف زدہ ہیں۔ جب چند مسلح جوان مارے گئے۔

فوجی افسر زخمی ہوگیا۔ جب ہماری سمجھ میں آیا کہ وہ سب ٹیلی پیتھی کے تماشے تھے۔ وہ مولوی ٹیلی پیتھی جانتا تھا، میئر ایسا کہتے وقت یہ بھول رہا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے دماغ میں بھی آکر رہ سکتا ہے۔ اور کبریا اس وقت اس خفیہ میٹنگ میں خیال خوانی کے ذریعہ موجود تھا۔ وہاں جتنے اکابرین تھے۔ ان میں سے کوئی بہت بڑا صنعت کار، کوئی بجلی اور پانی سپلائی کرنے والا بہت بڑا ٹھیکیدار اور ویسٹ بے سٹی کو دنیا کا حسین ترین اور پرکشش شہر بنانے کا ایک بہت بڑا منصوبہ ساز تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ دنیا کے تمام سیاح، تمام سرمایہ دار اور تمام عیاش عرب پتی اس شہر میں آیا کریں۔ تاکہ ویسٹ بے سٹی میں ہمیشہ فارن کرنسی کی ریل پیل رہا کرے۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ "اگر مولوی صاحب کو یہاں سے نہ بھگایا گیا تو وہ ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کے ذریعہ ہمیں زیر کرے گا۔ اور عوام کے سامنے ہمیں کمتر بنا کر اپنے مذہب کی برتری قائم کرے گا۔"

میئر نے کہا۔ "ہم اسے بدنام کرنا اور اخبارات میں اس کی قابل اعتراض تصویریں شائع کرانا چاہتے تھے۔ مگر اس نے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ ہمیں ناکام بنادیا۔ رپورٹ کے مطابق وہ مسجد کے حجرے میں آرام سے سو رہا ہے۔ اور ہم پریشانی سے جاگ رہے ہیں۔" "اگر وہ سو رہا ہے تو اس کی ٹیلی پیتھی بھی سو رہی ہوگی۔ ایسے وقت اسے گولی ماردی جائے اس کے ساتھ اس کی ٹیلی پیتھی بھی مر جائے گی۔"

کبریا نے صنعت کار کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اس صنعت کار نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر ٹھیکیدار کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن مولوی سوتا رہے۔ اور ٹیلی پیتھی جاگتی رہے تو گولی اسے آکر لگے گی۔ جو اسے نیند میں قتل کرنے کا مشورہ دے رہا ہے۔

بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے گولی چلی۔ ٹھیکیدار کی پیشانی پر ایک سوراخ ہوا۔ پھر وہ کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے میز پر اوندھے منہ گر پڑا۔

خفیہ اجلاس کے حاضرین بیک وقت اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ میر نے صنعت کار سے پوچھا۔ "یہ آپ نے کیا کیا؟ اسے کیوں ہلاک کر دیا؟"

وہ جواب کیا دیتا گولی مارنے کے بعد اس کے ہاتھ سے پستول میز پر گر پڑا۔ وہ حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ پستول کیوں نکالا؟ گولی کیوں چلائی؟

میر کے سوال پر اس نے چونک کر حاضرین کو دیکھا پھر کہا۔ "پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا؟ یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا ہے۔ میں نے بے اختیار ایسا کیا ہے۔ جبکہ ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے یہ سب کچھ ٹیلی پیتھی کے ذریعہ ہوا ہے؟"

میر نے کہا۔ "وہ جاگ رہا ہے اور خیال خوانی کے ذریعہ تمہارے درمیان موجود ہے۔" سب ہی کو چپ سی لگ گئی۔ وہ اپنے مقتول ساتھی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ سب دور ہو گئے تھے کوئی لاش کے قریب اس خوف سے نہیں جا رہا تھا۔ کہ شاید میز پر پڑا ہوا پستول پھر خیال خوانی کے ذریعہ اٹھے گا۔

فضا میں معلق ہوگا اور اس میں سے ایک گولی آکر کسی کو بھی لگے گی۔
وہ ایک ایک کر کے اس کمرے سے باہر آ گئے۔ ایک نے میرؔ سے کہا۔ "ہمیں مولوی سے دشمنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے دوستی کرکے اسے قیمتی تحائف دے کر اس شہر سے رخصت کردینا چاہیئے۔"

میرؔ نے کہا۔" وہ قیمتی تحائف قبول نہیں کرے گا۔ ہم نے اسے عالیشان کوٹھی میں رہنے کو کہا تھا۔ لیکن وہ کوٹھی کی شان و شوکت کو ٹھکرا کر حجرے میں جاکر سو رہا ہے" ایک نے کہا۔" بہتر ہے ہم ابھی مولوی کے سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔ اس کے خلاف کوئی رائے قائم نہ کریں۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

وہ سب جانے لگے میرؔ کے موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے اسے آن کر کے پوچھا۔" ہیلو کون؟"

"میں ہوں آپ کا تابعدار رنگا سوامی، ایک اہم اطلاع یہ ہے کہ میں نے حسین میراں کو ٹیوب اسٹیشن میں دیکھا ہے۔ اس وقت بھی وہ میری نظروں میں ہے۔ آپ فرمائیں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"تعجب ہے میراں ٹیوب اسٹیشن کیسے پہنچ گئی؟ اسے تو اغوا کیا گیا تھا۔ کیا اس کے ساتھ کچھ لوگ ہیں؟"

"نو سر! وہ بالکل اکیلی ہے۔ شاید اغوا کرنے والوں کی قید سے نکل آئی ہے۔ یہاں خاصی بھیڑ ہے۔ شاید دشمن پھر اس کی تاک میں ہوں گے۔"

"میں مسلح سپاہیوں کو بھیج رہا ہوں۔ تم میراں کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔"

میر نے اس سے رابطہ ختم کر کے آئی جی پولیس سے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ اغوا کی جانے والی میراں ٹیوب اسٹیشن میں ہے۔ اسے اپنی کسٹڈی میں لیکر بحفاظت اس کے بنگلے میں پہنچا دو۔ اور بنگلے کے چاروں طرف پہرہ لگا دو۔ ماسٹر اورے گا اسے دوبارہ اغوا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

میر نے اپنے اطمینان کے لئے فوج کے میجر سے بھی درخواست کی کہ وہ اپنے فوجی جوانوں کو میراں کی حفاظت پر مامور کرے۔ پھر اس نے اپنا فون بند کر دیا۔ کبریا نے بابر کے دماغ میں آکر مخاطب کیا۔ "چھوٹے!" "بول بڑے؟"

"تیری شامت آگئی ہے۔"

"وہ تو کب کی آچکی ہے۔ ابھی میرے ساتھ ہے۔"

اس کے آگے پیچھے اتنے دشمن لگے ہیں کہ وہ تجھ جیسے نادیدہ کو بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"ماسٹر اورے گا کے باس اور اس کے ماتحتوں کو ایک نادیدہ اجنبی کا علم ہوگیا ہے۔ انہوں نے میرے خوف سے میراں کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن جانتا ہوں، پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"میر اس کی حفاظت کے لئے پولیس اور فوجی جوانوں کو بھیج رہا ہے۔ وہ اسے اس کے بنگلے میں پہنچا دیں گے۔ وہ وہاں سخت پہرے میں رہے گی۔

تم میرے پاس چلے آؤ۔"

"ڈاکٹر نے کسی حسینہ سے پرہیز کرنے کو نہیں کہا ہے۔ اور میں تیرا ایسا فرمانبردار بھتیجا نہیں ہوں کہ جنت کو چھوڑ کر چلا آؤں۔ کوئی دوسری بات کر۔"

"دیکھ چھوٹے! تیری دادی آمنہ فرہاد نے کہا تھا، میں تجھے رات کو کیں تنہا نہ چھوڑوں اگر سیدھی طرح نہیں آئے گا۔ تو ابھی خیال خوانی کے ذریعہ تیری دادی کو بلاؤں گا۔" "بڑے! تو مجھ سے جل رہا ہے۔ یہ حسینہ تیرے حصے میں آتی تو میں جلنے لگتا۔ یہ چیز ہی ایسی ہے۔ مگر اس کے لئے چچا بھتیجے کی دوستی میں فرق نہیں آنا چاہیئے۔"

کبریا اس کے دماغ سے نکل کر میراں کے دماغ میں آگیا۔ اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کرنے لگا کہ وہ کیسے کیسے حالات سے گزرتی رہی ہے۔ اور بابر کس طرح اس کی مدد کرتا رہا۔ لیکن اب وہ بابر سے دور رہنا چاہتی تھی۔ یہ سوچ کر اسے شرم آرہی تھی۔ کہ اس کا نادیدہ محافظ بے لباس رہتا ہے۔

کبریا نے کہا۔" وہ پیدائشی ننگا ہے۔ خدا نے چاہا تو اسے کبھی کپڑا نصیب نہیں ہوگا۔"

وہ چونک کر سوچنے لگی۔" یہ کیسی آواز ہے۔"

زیر زمین ریل گاڑی پلیٹ فارم پر آکر رک رہی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی ٹرین میں سوار ہوئی۔ بابر نے کہا۔" میں تمہارے قریب

ہوں، ادھر ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟"

"میں تمہیں نہیں، اسے دیکھ رہی ہوں، جس کی آواز ابھی سنی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے اندر کوئی بول رہا ہے۔ لیکن یہ میرا وہم ہے بھلا اپنے اندر کسی اجنبی کی آواز کیسے آئے گی۔"

کبریا نے کہا۔ "آسکتی ہے۔ یہ ٹیلی پیتھی ہے۔"

"ٹیلی پیتھی؟ ہاں ٹیلی پیتھی کے ذریعہ یہ ممکن ہے۔ تم کون ہو؟"

"بابر نے کہا۔ "میراں تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ وہ بڑا ہے۔"

"بڑا ہے؟ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"مطلب یہ کہ میں چھوٹا ہوں۔ میں اسے بڑا کہتا ہوں، وہ میرا چچا ہے۔ وہ مجھے چھوٹا کہتا ہے۔ میں اس کا بھتیجا ہوں۔ مگر ہم دونوں دوست ہیں"

"مجھے اپنے بڑے سے بات کرنے دو۔ بیچ میں نہ بولو۔ ارے ہاں! تم باتوں ہی باتوں میں میرے قریب آگئے ہو۔ بے شرم دور ہو جاؤ۔"

کبریا نے کہا۔ "شاباش تم بڑی حیا والی مشرقی لڑکی ہو۔ اسے گھاس نہ ڈالو۔ دھتکارتی رہو۔"

"کیا تم واقعی اس کے چچا ہو؟"

"چچا ہوں۔ اس لئے اسے جذباتی دوستی سے روک رہا ہوں۔ اس طرح تمہیں بھی جذبات گمراہ نہیں کریں گے۔"

"میں گمراہ ہونے والی لڑکی نہیں ہوں۔ تم اپنے گدھے کو لگام دیتے رہو۔ یہ کیا تک ہے۔ بدن پر ایک دھجی نہیں ہے۔ کیا اسے سردی نہیں لگتی ہے؟"

"وہ گدھا موسم پروف ہے۔ برفانی علاقوں میں بھی اسی طرح رہتا ہے۔ دن رات بارش میں بھیگنے کے باوجود اسے کبھی نزلہ زکام نہیں ہوتا۔ آگ برساتی ہوئی دھوپ میں اس کا بدن نہیں جلتا۔ یہ غیر معمولی خصوصیات اسے اپنی ماں سے ورثہ میں ملی ہے۔" ٹرین میں بیٹھی ہوئی عورتیں اور مرد میراں کو حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ایک عورت نے قریب آکر پوچھا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟ تم زیر لب کچھ بولتی جارہی ہو۔ کیا تمہیں تنہائی میں بڑبڑانے کی عادت ہے؟"

"ہاں، یہی سمجھو اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

ٹرین ایک جگہ رک گئی۔ اس کے خودکار دروازے کھل گئے۔ کچھ مسافر اتر گئے۔ کچھ سوار ہوئے۔ ان میں ایک پولیس افسر اور مسلح سپاہی بھی تھے۔ میراں پر نظر پڑتے ہی افسر نے قریب آکر اسے سیلوٹ کیا پھر کہا۔ "مس صاحبہ آخر ہم نے آپ کو ڈھونڈ ہی لیا۔ ہم ان اغوا کرنے والوں کو عبرتناک سزائیں دیں گے۔
لیکن پہلے آپ کو بحفاظت بنگلے میں پہنچا دیں گے۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ تم مجھے بحفاظت میری رہائش گاہ تک پہنچاؤ گے"

بابر نے کہا "یقین کر لو۔ میں نے چند سیکنڈ میں افسر کے چور خیالات سے معلوم کیا ہے، یہ نقلی افسر اور نقلی سپاہی نہیں ہیں۔"

وہ افسر کہہ رہا تھا۔ "اگر ماسٹر اور سے گا رکاوٹ بننا چاہئے گا تو ہم تمہارے سامنے اسے اور اس کے آدمیوں کو حرام موت ماریں گے پھر آپ کو ہماری سچائی پر یقین آجائے گا۔"

وہ بولی۔ "مسٹر بڑے! تم کہہ رہے ہو تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں "یہ مسٹر بڑے کیا ہوتا ہے۔ میرا نام کبریا فرہاد ہے۔ تم کبریا کہہ سکتی ہو۔ "کیا تم میرے ساتھ بنگلے میں جاؤ گے؟"

"نہیں میں تمہارے بابا کے پاس جاؤں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تم میرے ابا کو جانتے ہو؟"

"ہاں تمہاری طرح وہ بھی یہاں کے کم ظرف اکابرین کی سازشوں کا شکار ہوتے رہے۔ اور میں انہیں سازشوں سے بچاتا رہا۔ اب بھی ان کے ایک اہم کام سے جا رہا ہوں۔" "مجھے بتایا گیا تھا کہ ابا ایک ہفتہ تک مسجد سے واپس نہیں آئیں گے لیکن ان کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں۔ پھر تو یہ پولیس والے بھی بھروسے کے قابل نہیں ہیں۔"

"بے شک۔ ان پر عارضی طور پر بھروسہ کرو۔ کیونکہ یہ میرے مفادات کے لئے تمہیں تحفظ دے رہے ہیں۔ جب ان کی نیت بدلے

گی تو چھوٹا تمہیں ان کے حصار سے نکال لائے گا۔"

"یعنی وہ میرا محافظ رہے گا۔ اور تم میرے ابا کی حفاظت کر رہے ہو۔ میں تم دونوں کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"میں جا رہا ہوں۔ مگر میری ایک ہدایت پر عمل کرو۔ اسے اپنے قریب نہ آنے دو۔"

"میں تو قریب نہیں آنے دوں گی۔ تم بھی اسے سمجھاؤ کہ شرم و حیا کیا ہوتی ہے۔

کم از کم تنہائی میں تو کچھ پہن کر رہ سکتا ہے۔

"میں ابھی سمجھا کر جا رہا ہوں۔"

وہ بابر کے پاس آکر بولا "ہائے چھوٹے!"

بابر نے کہا "ہائے ہائے تو مجھے کہنا چاہئیے۔ پتہ نہیں اس کے دماغ میں کتنا زہر انڈیل کر آئے ہو۔"

میں بیچارہ کیا کروں گا۔ تمہارا مقدر ہی خراب ہے۔ تم اس دریا کے ساحل پر رہو گے لیکن پیاس بجھانے کے لئے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔"

"میری بددعا ہے۔ خدا تمہیں کسی حسینہ کا دیوانہ بنا دے۔ پھر میں اسے تمہارے خلاف بھڑکایا کروں گا۔"

"میرا دل فری پورٹ نہیں ہے کہ حسینائیں لنگر انداز ہوتی رہیں گی۔ فی الحال تم حسن کے نظارے دور ہی سے دیکھو اور قریب جانے کے لیے ترستے رہو۔"

وہ دماغ سے چلا گیا۔ ٹرین پھر ایک اسٹیشن پر رکی تھی۔ انسپکٹر نے میراں سے کہا۔" یہاں سے آپ کا بنگلہ قریب ہے۔ چلئیے

وہ اس کے ساتھ ٹرین سے اتر گئی۔ ٹرین کا خودکار دروازہ بند ہونے ہی والا تھا۔ اسی وقت تڑاتڑ گولیاں چلیں۔ دو شخص میراں کو اٹھا کر ٹرین کے اندر واپس آئے۔ دروازہ بند ہوگیا۔ دروازے کو اگلے اسٹاپ تک کوئی کھول نہیں سکتا تھا۔ اور نہ ہی ٹرین اگلے اسٹاپ سے پہلے روکی جاسکتی تھی۔ وہ ٹرین زیر زمین تیز رفتاری سے چلتی ہوئی ویسٹ بے سٹی کے خاص خاص علاقوں سے گزر رہی تھی۔ اب اگلے اسٹاپ کا انتظار تھا۔

دو شخص جو میراں کو اٹھا کر ٹرین میں لائے تھے۔ ان کے حلق سے چیخیں نکلیں۔ وہ دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ کر گر پڑے۔ اور تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگے۔

بابر نے اپنے دونوں ہاتھوں کی دو دو انگلیاں ان کی آنکھوں میں آہنی سلاخوں کی طرح گھسا دی تھیں۔ اب ان کی آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ ماسٹر اورے گا نے کہا۔" وہ یہیں موجود ہے کلر اسپرے بوتل لاؤ۔" اس کے تین ماتحتوں نے تین اسپرے بوتلیں نکال لیں۔

تینوں میں سفید رنگ بھرا ہوا تھا۔ عام مسافران سے دور چلے گئے۔ وہ
تینوں چاروں طرف گھوم گھوم کر اسپرے کرنے لگے۔ دور تک
اسپرے ہونے والا سفید رنگ اپنے ساتھیوں پر اور میراں پر پڑ رہا
تھا۔ نادیدہ جسم پر بھی پڑنا چاہئیے تھا۔ لیکن اسپرے کرنے سے پہلے ہی
اپنے ٹھوس جسم کو سائے میں تبدیل کر چکا تھا۔ اورے گا حیرانی اور
پریشانی سے گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گرج کر کہا۔" وہ
ہے۔ یہاں ہے۔ صرف چاروں طرف ہی نہیں اوپر نیچے بھی اسپرے
کرو۔"

اس کے حکم کے مطابق وہ تینوں اوپر نیچے بھی اسپرے کرنے لگے وہ
بوتل میں رنگ لائے تھے۔ بالٹیوں میں لاتے تو گھنٹوں اسپرے
کرتے۔ بوتلیں زیادہ بڑی نہیں تھیں۔ تینوں خالی ہو گئیں۔ رنگ ختم
ہو گیا۔ اس کے ساتھ اورے گا کے منہ پر ایک گھونسا پڑا۔ پھر دوسرا
گھونسا پڑا۔ وہ ایسے فولادی گھونسے تھے کہ پہاڑ جیسا صحت مند جسم
اورے گا چکرا کر گر پڑا۔

اس کے حواریوں نے گھونسے مارنے والے کی موجودگی کا اندازہ کیا۔
پھر ٹھیک اسی جگہ بابر کو چاروں طرف سے د.. چ لیا۔ کامیاب ہو کر
چیخنے لگے۔" باس پکڑ لیا، ہم نے اسے پکڑ لیا۔"

اورے گا کی نظریں دھندلا رہی تھیں۔ وہ ایک ہاتھ سے سر کو تھام کر
سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے بالا۔" وہ، وہ معلوم ہوتا ہے، فولاد کا

بن ہوا ہے اسے مت چھوڑو فوراً گولی مارو۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا اس کے حواری سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ ایک نے کہا۔" باس وہ غائب ہوگیا۔ اس کا جسم ہماری گرفت میں تھا۔ پھر اچانک محسوس ہوا کہ ہماری گرفت میں کچھ نہیں ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پھر ایک وہی فولادی گھونسا منہ پر پڑا۔ اورے گا کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ دوسرے گھونسے میں پھر وہ فرش پر گر پڑا۔ اس بار اس میں اٹھنے کی بھی سکت نہ رہی۔ ٹرین اپنے اسٹاپ پر رک گئی۔ دروازہ کھلتے ہی پولیس افسر اور مسلح سپاہی داخل ہوئے۔ میراں نے اورے گا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔" یہ ہے ماسٹر اورے گا اور یہ سب اس کے چمچے ہیں۔"

مسلح سپاہی تعداد میں زیادہ تھے۔ ان حواریوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس ماسٹر اورے گا کو گرفتار کر لیا گیا۔ جو کبھی گرفت میں نہیں آتا تھا۔ میراں افسر کے ساتھ ٹرین سے باہر آئی۔ چور نظروں سے دیکھنے لگی۔ شاید بابر کی جھلک نظر آجائے۔ وہ اس سے متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ اس شہر دشمناں میں وہی ایک اس کا محافظ تھا۔ اور اس بے مثال حسینہ کی سب سے اہم ضرورت بن گیا تھا۔ وہ پولیس افسر اور سپاہیوں کی نگرانی میں زیر زمین پلیٹ فارم کے خودکار زینے پر آئی اس کے ذریعہ زمین کے اوپر پہنچ گئی۔ وہاں پولیس کے علاوہ فوجی گاڑیاں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ انھیں یہ رپورٹ مل رہی تھی کہ ٹرین کے اندر زخمی اورے گا

کے علاوہ دو حواری ایسے تھے جن کی آنکھیں پھوڑ دی گئی تھیں۔ گرفتار ہونے والے بیان دے رہے تھے کہ میراں کے ایک نادیدہ محافظ نے انھیں اندھا کردیا ہے۔ میئر، پولیس، فوج اور شہر کی انتظامیہ کے لئے یہ نئی اور ناقابل یقین بات تھی کہ میراں کا کوئی نادیدہ محافظ ہے۔ اس لئے وہ یقین نہیں کر رہے تھے۔ ایک فوجی افسر نے میراں سے پوچھا۔ وہ بولی۔ "ہاں میرا ایک محافظ ہے، وہ دکھائی نہیں دیتا لیکن اس کی لات منہ پر پڑتی ہے۔ میں یہاں سے اپنے بنگلے تک جانے کے لئے جس گاڑی میں بیٹھوں گی اس میں کوئی دوسرا نہیں بیٹھے گا۔ اسے میرا دوست محافظ ڈرائیو کرے گا۔" ایک فوجی جوان کار ڈرائیو کر کے اس کے پاس لے آیا۔ پھر اپنے افسر کے حکم کے مطابق اس کار سے باہر آگیا۔ میراں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تب ان سب نے حیرانی سے دیکھا۔ اگلی سیٹ کا دروازہ خود بخود کھل کر بند ہو گیا تھا۔ کار کے کمپیوٹر کو منزل اور راستوں کی از خود فیڈنگ ہو رہی تھی۔ پھر وہ کار خود ہی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھنے لگی اس کے آگے پیچھے پولیس اور آرمی کی گاڑیاں تھیں۔ ان گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ افسران اپنے اعلیٰ افسران سے فون پر نادیدہ محافظ کے متعلق بتا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یقین نہ ہو تو بنگلے میں آکر دیکھ لیں، وہ ہمیشہ میراں کے ساتھ رہتا ہے۔ گرفتار ہونے والے مجرموں کے بیانات کے مطابق وہ نادیدہ محافظ اب تک اور ے گا کے کتنے ہی حواریوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ جو بھی میراں کے قریب آکر اسے چھونا چاہتا ہے۔

اس کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ دو حواریوں نے میراں کو جبراً اٹھا کر ٹرین کے اندر پہنچایا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان دونوں کی آنکھیں پھوڑ دی گئی تھیں۔ جو کروڑ پتی اور ارب پتی میراں کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ مختلف ذرائع سے میراں کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔ وہ بھی یہی سن رہے تھے کہ اس حسینہ کے گورے اور چکنے بدن کو کوئی چھو نہیں سکتا۔ ایک نادیدہ محافظ اس بدن کے ساتھ سائے کی طرح رہتا ہے۔ اگرچہ یہ خوف زدہ کرنے والی بات تھی۔ لیکن یہ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز حاصل نہیں ہوتی، وہ اور زیادہ پر کشش ہو جاتی ہے۔ اسے حاصل کرنے کی ضد اور لگن اور بڑھ جاتی ہے۔ وہ بڑے سرکاری عہدیداروں کو بڑی بڑی رقمیں پیش کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ انھیں اس بنگلے میں جانے کا موقع دیا جائے۔ وہ میراں کو اپنی طرف مائل کرلیں گے۔

میئر اور فوج کے اعلیٰ افسران نے ان عیاش طلبگاروں سے کہا۔ "میراں کو حاصل کرنے کی ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ نادیدہ محافظ کو قتل کرنے کی تدبیر بتائی جائے۔ جو ٹھوس اور قابل عمل تدبیر بتائے گا، میراں اسی کے حصے میں آئے گی۔"

میراں اس قدر مظبوط دفاعی پوزیشن میں تھی۔ ویسٹ بے سٹی کی پولیس، فوج اور سیکورٹی فورس کے لئے زبردست چیلنج بن گئی تھی۔ شہر کی انتظامیہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ ایک لڑکی اور اس کا

قوتوں پر غالب رہیں۔
مولوی باپ شہر کی بہت بڑی
اب ان کا لائن آف ایکشن یہ تھا کہ باپ اور بیٹی کے محافظوں سے پہلے نمٹا جائے۔ باپ کے ساتھ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا تھا اور بیٹی کے ساتھ ایک نادیدہ محافظ تھا۔ اگر وہ دونوں شکنجے میں آجاتے یا کسی طرح ہلاک کردیئے جاتے تو باپ بیٹی وہی بے یارو مددگار اور بے چارے سے رہ جاتے جیسے ویسٹ بے سٹی میں داخل ہوتے وقت تھے۔ غبارے سے ہوا نکال دی جائے تو وہ پھول نہیں سکتا۔ انسان کے اندر سے توانائی نکال دی جائے تو وہ کھڑا نہیں رہ سکتا اور سپاہی کے ہاتھ سے بندوق چھین لی جائے تو وہ جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ اب شہری انتظامیہ کے اکابرین اس ایک نکتہ پر غور کررہے تھے کہ کس طرح باپ بیٹی کی غیر معمولی قوتوں کو چھین لیا جائے۔ کبریا اور بابر کو کس طرح موت کے گھاٹ اتار دیا جائے؟

وہ بنگلے میں خیریت سے پہنچ گئی تھی۔ وہاں رات کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ میز پر کھانے کے لئے آئی تو اسے اسکرٹ اور بلاؤز بے ترتیبی سے لپٹے ہوئے فضا میں معلق نظر آئے۔ بابر کی آواز آئی۔ "تم مجھے دور رہنے کو کہتی اس لئے میں اسکرٹ اور بلاؤز کو اپنی کمر کے اطراف لپیٹ کر آیا ہوں۔ اب میں بے لباس نہیں ہوں۔"

وہ بولی۔ "یہاں تمہارا کوئی لباس نہیں ہے۔ فی الحال یہ مختصر سا لباس چلے گا۔ آؤ بیٹھو بہت بھوک لگی ہے۔"

وہ اس کے سامنے میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرٗ اور دوسرے اکابرین اس نادیدہ کو چھپ کر دیکھنے آئے تھے۔ انھوں نے کھڑکیوں سے اور روشندان سے جھانک کر دیکھا۔ پہلے اسکرٹ اور بلاؤز بے ترتیبی سے لپٹے ہوئے اور فرش سے تین فٹ کی اونچائی پر ادھر سے ادھر آتے جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پھر وہ بے ترتیبی سے لپٹے ہوئے کپڑے ایک کرسی پر آگئے جیسے بابر بیٹھ گیا ہو۔ اس کے بعد انھوں نے حیرانی سے دیکھا۔ پلیٹ پر سے لقمہ اٹھ رہا تھا اور ایک طرف جاکر یوں غائب ہو رہا تھا جیسے وہ منہ کے اندر جارہا ہو۔ اگرچہ وہ ایک مضحکہ خیز منظر تھا۔ تاہم یہ خوف طاری ہوتا تھا کہ پتہ نہیں، کیسی بلا بیٹھی ہے، جو پلیٹ سے اٹھے ہوئے لقمہ کو غائب کر رہی ہے۔ وہ بلا اپنے سالم دشمن کو بھی غائب کر لیتی ہوگی۔

وہ کھانے کے دوران باتیں کر رہے تھے۔ باہر سے جھانکنے والوں کو ان کی گفتگو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میراں نے کہا۔ "تمہارے کھانے کا منظر بڑا ہیبت ناک ہے۔ صرف لقمہ اٹھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ پھر تمہاری منہ کی بلندی تک جاکر غائب ہو رہا ہے۔ اگر ہماری دوستی نہ ہوتی تو میں مارے خوف کے مر جاتی۔"

"خوف سے وہ مر رہے ہیں، جو ہمیں چھپ کر دیکھ رہے ہیں۔"

وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیا ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے؟"

"ہاں میں یہ کپڑا لپیٹنے سے پہلے اس ڈائننگ روم سے باہر گیا تھا۔

کوئی روشن دان سے اور کوئی کھڑکی وغیرہ سے جھانک رہا ہے۔ انھیں دکھانے کے لئے ہی میں یہ کپڑا باندھ کر آیا ہوں۔"

"مجھے یہ تاک جھانک پسند نہیں ہے۔ ان کھڑکیوں کے پردوں کو برابر کردوں گی۔ تم اس روشندان کو بند کردو۔"

"بہتر ہے، انھیں میرے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے دو۔ تاکہ انھیں یقین ہو جائے کہ وہ میری موجودگی میں تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

"تم ان سے براہ راست گفتگو کرو۔ ان کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔"

وہ بلند آواز سے بولا۔ "کسی کے گھر میں جھانکنا خلاف تہذیب ہے۔"

وہ سب فوراً ہی روشندان اور کھڑکیوں کے پاس سے ہٹ گئے۔ انھیں آواز سنائی دی۔

"ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو تو یہاں آکر آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم کا دروازہ کھل گیا۔ میئر اور چند اکابرین اندر آکر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے دیکھا، ایک اسکرٹ اور بلاؤز لپٹا ہوا ایسے دکھائی دے رہا تھا جیسے کمر سے لپیٹا گیا ہو۔ وہ کپڑا فضا میں معلق تھا۔ اور صوفوں کے قریب آگیا تھا۔ پھر آواز آئی۔

"میرا نام بابر علی تیمور ہے۔ میں پیدائشی نادیدہ ہوں۔ یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ میں پیدائشی ایسا کیوں ہوں۔ یہ بتانے کے لئے مجھے اپنے خاندان کی ہسٹری بیان کرنی ہوگی۔"

میر نے پوچھا۔ "کیا تمہارے خاندان میں اور بھی نادیدہ افراد ہیں؟ اگر ہیں تو کہاں ہیں؟"

"صرف میں نادیدہ ہوں۔"

"ویسٹ بے سٹی میں کب سے ہو؟ یہاں تمہاری مصروفیات کیا ہیں۔"

"میں یہاں ایک ہفتہ پہلے آیا تھا۔ مشرقی تہذیب کے نقطہ نظر سے یہاں بے شرمی اور بے غیرتی دیکھ رہا ہوں۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس شہر میں نہیں ہے۔ جب کہ شہری ہندو، یہودی، عیسائی اور مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان سب کی عبادت گاہوں میں ویرانی ہے اور کلبوں میں رونق ہی رونق ہے۔

الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور اسلام کا بول بالا چاہتا ہوں۔ یہاں صرف ایک ہی مسجد ہے۔ وہاں کوئی پیش امام ٹھہر نہیں سکتا۔ قدم قدم پر ایسی بے حیائی ہے کہ ایمان والوں کی پاکیزگی مجروح ہوتی ہے۔ میں نے اور میرے بڑے نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کے کسی دوسرے شہر سے کسی مولوی صاحب کو بلایا جائے۔"

"یہاں تمہارے بڑے بھی ہیں؟"

"نہیں ایک ہی بڑا ہے اور میں اس کا ایک ہی چھوٹا ہوں۔ ہم رشتے دار بھی ہیں اور دوست بھی ہیں۔ ہاں تو ہم یہاں کسی مولوی صاحب کو بلانا چاہتے تھے۔ مگر میری دادی نے کہا کہ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے۔ ایک مولوی صاحب خود ہی اس شہر میں آنے والے ہیں۔"

"کیا تمہاری دادی کو علم تھا کہ میراں کا باپ مولوی عبدالحق آنے والا ہے؟ یا تمہاری دادی نے ان باپ بیٹی کو بھیجا ہے؟"

"یہ باپ بیٹی خود آئے ہیں۔ میری دادی جان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ستاروں کی چال سے اور روحانیت کے کمال سے مستقبل کا حال جانتی ہیں۔ ان کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی اور مولانا عبدالحق اپنی بیٹی میراں کے ساتھ یہاں آ گئے۔"

"تمہاری دادی اتنی سچی پیش گوئی کرتی ہیں۔ کون ہیں تمہاری دادی؟"

"آمنہ فرہاد بیگم فرہاد علی تیمور، یہ میرے دادی اور دادا ہیں۔"

ایک نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی تم فرہاد کے پوتے ہو؟"

"میں تو پوتا ہوں۔ لیکن جو میرا بڑا ہے، وہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا ہے۔ میں میراں کی حفاظت کر رہا ہوں اور وہ اس کے باپ کا محافظ بنا ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اچھا تو وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا محافظ فرہاد علی تیمور کا بیٹا ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں گونجنے والا فرہاد علی کا نام ہم فراموش

کر رہے تھے۔ تم بیٹے اور پوتے اس نام کو نئی زندگی دینے کے لئے اس شہر میں آئے ہو۔ مگر ہمارا ہی شہر کیوں۔"

"اس لئے کہ شمع حق وہیں روشن ہوتی ہے، جہاں کفر اور گناہوں کا اندھیرا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک شہر ظلمات ہے۔ اس ظلمات میں کل صبح سے اذان گونجے گی۔ مولانا عبدالحق اپنے دین کا حق ادا کریں گے اور تم میں سے کوئی ان کے دینی حقوق کو پامال نہیں کر سکے گا۔"

"تم لوگ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ یہاں آئے ہو۔"

"بیسویں صدی میں تم لوگوں نے بھی پاکستانی عوام کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور مغرب کی نمائندگی کرنے والا یہ ویسٹ بے سٹی بنا لیا۔ اگر پاکستانی مسلمان بیدار ہوتے اور سیاسی شعور رکھتے تو آج یہاں مکہ مدینہ جیسے شہر آباد ہوتے۔ بہرحال کوئی بات نہیں۔ مسلمان ٹھوکر ضرور کھاتے ہیں لیکن گرنے سے پہلے سنبھل جاتے ہیں۔"

"سنبھلنے کے لئے ہم سے دشمنی کرنا ضروری نہیں ہے۔ دوستی کرنے میں تمہارا فائدہ ہے۔ ذرا سوچو تم اور تمہارا ٹیلی پیتھی جاننے والا ساتھی ہماری پولیس اور آرمی کا مقابلہ کب تک کرو گے۔ ہمارے علاوہ تمہارے دوسرے دشمن بھی ہیں۔ اور بے گا کا پراسرار باس بہت خطرناک ہے۔ وہ چھپ کر میراں کو اور اس کے باپ کو گولی مارے گا تو تم اس کا کیا بگاڑ لو گے؟"

بابر نے کہا۔ "میراں ابھی تمہارے اس بنگلے میں ہے۔ تم نے چاروں

طرف سخت پہرہ لگایا ہے۔ اگر ایسے میں کوئی میراں کو گولی مارے گا تو تم اس کا کیا بگاڑ لو گے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اتنے سخت پہرے سے گزر کر میراں کو گولی مارنے کی حماقت کرے گا۔"

ٹی وی ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بابر نے آگے بڑھ کر اس فون کو آپریٹ کیا۔ ٹی وی اسکرین آن ہوگیا۔ پوری اسکرین پر سر کے بکھرے ہوئے اور ڈاڑھی کے بے ترتیب بال دکھائی دے رہے تھے۔ ان تمام بالوں کے ہجوم میں اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ اس کے سانس لینے کی آوازیں یوں آرہی تھیں جیسے کوئی درندہ دھیمی آواز میں غراہ رہا ہو۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہوں۔ میں تو میراں سے دو باتیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسکرین پر مجھے میر، فوجی میجر اور بڑے اہم افراد نظر آرہے ہیں۔ اور یہ مختصر سا کپڑا فضا میں معلق ہے۔ یعنی اس نادیدہ نے لنگوٹ پہنی ہوئی ہے۔"

میراں نے ٹی وی کے سامنے ذرا فاصلہ پر آکر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"میرا نام ہے جے رین ڈم۔ میں ایک پراسرار شخص کہلاتا ہوں۔ پراسرار نہیں ہوں۔ خود اپنا نام بتا رہا ہوں اور اپنے آپ کو اسکرین پر پیش کر رہا ہوں۔"

"تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

۔تمہیں یہ خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ تم صبح سے پہلے میرے پاس آجاؤ گی۔ اور پولیس والے میرے تابعدار ماسٹر اور ے گا کو بھی رہا کردیں گے"

میجر نے ناگواری سے پوچھا۔ "تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ ہم میراں کو تمہارے پاس جانے دیں گے۔ اور اورے گا جیسے خطرناک مجرم کو رہا کردیں گے؟"

جے رین ڈم نے کہا۔ "میں ایک منٹ کے لئے اسکرین سے ہٹ رہا ہوں۔ تمہیں اپنے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔"

وہ اسکرین سے آؤٹ ہوگیا۔ منظر بدلتے ہی میؔر نے اپنی جوان بیٹی کو دیکھا۔ وہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "ڈیڈی! کیا آپ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ ایک ریچھ کی طرح بڑے بڑے بالوں والے نے مجھے قیدی بنا کر رکھا ہے۔ کہتا ہے، آپ اس کا مطالبہ پورا کریں گے تو وہ مجھے رہا کردیگا۔ پلیز ڈیڈی آپ اس کا مطالبہ ضرور پورا کریں۔ منظر بدل گیا اس بار اسکرین پر آرمی افسر کا ۱۴ برس کا بیٹا نظر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پاپا! آپ مجھے دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں تو فوراً اس ریچھ کا مطالبہ پورا کریں۔ ورنہ مجھے رہائی نہیں ملے گی"

منظر بدل گیا۔ اسکرین پر وہی ریچھ جیسے بڑے بالوں والا جے رینڈم نظر آیا۔

وہ دھیرے دھیرے کھانسنے کے انداز میں ہنس رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا" میں
فوج کے افسر کو اس کے بیٹے کی یہ ویڈیو فلم دکھا دی ہے۔ وہ ماسٹر اور سے
کو رہا کرنے کے احکامات جاری کر چکا ہے۔ تم بیٹی کی واپسی چاہتے ہو تو ابھی
میراں کو اس بنگلے سے باہر جانے دو۔ وہ مختلف کلبوں اور تفریح گاہوں میں
جائے گی اس دوران میرے آدمی اسے گھیر کر اس شہر سے دور کسی دوسری
جگہ لے جائیں گے۔
ڈیٹس آل"

فون اور ٹی وی اسکرین آف ہو گئے۔ بابر نے کہا" میجر! ابھی تم دعوے
کر رہے تھے کہ اس بنگلے میں اتنا سخت پہرہ ہے کہ کوئی یہاں میراں کو
نقصان پہنچانے نہیں آئے گا۔

دشمن کی چال ثابت کر رہی ہے کہ یہاں آنا ضروری نہیں ہے۔ میراں مکھن
کے بال کی طرح اس بنگلے سے باہر نکل جائے گی۔ تم اپنی بیٹی کی سلامتی
کے لئے خود اسے یہاں سے نکالو گے کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"
"درست کہہ رہے ہو مجھے اپنی بیٹی کی واپسی کے لئے ایسا کرنا ہوگا۔"
اس نے کارڈلیس فون کے ذریعہ بنگلے کے باہر سکیورٹی آفیسر کو مخاطب
کیا۔ پھر کہا" ابھی میراں یہاں سے باہر جائے گی۔ اسے جانے سے نہ روکا
جائے۔"

میجر اپنے موبائل فون پر کہہ رہا تھا" سادے لباس میں مستعد رہو۔ میراں
بنگلے سے نکلے گی۔ کوئی پتہ نہیں کہاں کہاں بھٹکے گی۔ اس پر اسرار مجرم

جے رینڈم کے آدمی کہیں بھی اسے گھیر کر لے جائیں گے اس کے بعد تم اسے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دینا۔ ہم جے رینڈم پر جوابی حملہ بعد میں کریں گے۔"

بابر نے جو مختصر سا کپڑا باندھا ہوا تھا، وہ اب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میجر نے کپڑے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر بابر! تم کہاں ہو؟"

بابر کی آواز سنائی دی۔ "کوئی نہیں جانتا کہ موت کہاں ہوتی ہے میں ابھی دروازوں کو اندر سے بند کر رہا تھا تاکہ کوئی باہر نہ جاسکے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا ہمیں باہر جانے سے روک رہے ہو؟"

ہاں پرابلم یہ ہے کہ میراں کو تم لوگ پہلے اس بنگلے میں اس کے باپ کے ساتھ لائے اور بدنیتی کے ساتھ لائے۔ جے رینڈم کا تابعدار اورے گا میراں کو اٹھا کر اپنے اڈے پر لے گیا۔ میں میراں کو اس کی قید سے نکال کر لا رہا تھا تو تمہاری پولیس اور فوج میراں کو یہاں لے آئی۔ اب اپنی بیٹی کی واپسی کے لئے تم میراں کو اس بنگلے سے نکالنے والے ہو تاکہ وہ پھر ایک بار جے رین ڈم کے قبضہ میں چلی جائے۔ سوال یہ ہے کہ تم لوگ اس طرح ایک دوسرے کو زیر کرتے رہو گے اور میراں ایک فالتو بال کی طرح ادھر سے ادھر ہوتی رہے گی۔ ایسا کیو ہوتا رہے گا؟ میراں کو اب تک نہ سکون سے کھانے دیا گیا ہے اور نہ اب سونے کے وقت سونے دیا جارہا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر کیوں نہ تم سب کا سکون برباد کیا جائے۔

آج رات تم سب جاگتے رہو گے۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کر سکو گے۔ یاد رکھو، اس بنگلے کے چاروں طرف ایک چھوٹی سی فوج ہے۔ اگر تم گرفت میں نہ آئے تو میراں کو مرنے سے نہیں بچا سکو گے۔"

"کیا میراں کو مرتے ہوئے دیکھنے کے لئے تم سب زندہ رہو گے؟"

وہ سب پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ میجر موبائل فون کو آپریٹ کرنے لگا۔ بابر اسے روکنا چاہتا تھا۔ کبریا نے کہا۔ "چھوٹے رک جا، میں آگیا ہوں۔"

میجر نے فون پر سیکورٹی افسر سے کہا۔ "ہیلو، ہم یہاں ڈرائنگ روم میں تمام رات جاگتے رہیں گے۔ اگر یہاں سے فائرنگ کی آواز آئے تو پریشان نہ ہونا۔ ہم شغل کے طور پر میراں کو اپنی نشانہ بازی کا کمال دکھانے والے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میرؔ نے کہا۔ "میجر! یہ تم کیا کہہ رہے تھے۔ ہم کیوں یہاں تمام رات رہیں گے؟ کیوں نشانہ بازی کریں گے؟"

میجر نے پریشان ہو کر کہا۔ "دراصل میں حفاظت کے لئے سیکورٹی گارڈ کو بلانا چاہتا تھا۔ مگر بے اختیار ایسی باتیں کرتا چلا گیا۔"

بابر نے کہا۔ "میجر! تمہارے دماغ میں ابھی فرہاد علی تیمور کا بیٹا ہیر یا موجود ہے۔"

تم نے اس کی مرضی کے مطابق جو کہا ہے،وہی کرو گے" یا تو تمام رات یہاں رہو گے۔ یا پھر ٹیلی پیتھی کے اثر سے ایک دوسرے کو گولی مارو گے اور باہر گارڈ یہی سمجھیں گے کہ تم سب میراں کو نشانہ بازی کا کمال دکھا رہے ہو۔"

یہ سنتے ہی ایک بڑا عہدیدار وہاں سے اٹھ کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ لیکن دو قدم آگے جاتے ہی منہ پر گھونسا پڑا۔ وہ الٹ کر صوفہ پر واپس آکر گر پڑا۔ دوسرا چیخ کر مدد کے لیۓ پکارنا چاہتا تھا۔ کبریا نے اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخ مار کر فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ چند سیکنڈ کے بعد کارڈلیس فون پر اشارہ موصول ہوا۔ میَر نے اسے آن کیا۔ دوسری طرف سے سیکورٹی افسر نے پوچھا۔" سر! اندر سے چیخ کی آواز آئی ہے۔ خیریت تو ہے۔"

میَر نے قہقہہ لگا کر کہا۔" مسٹر بیدی! تمھاری چیخ باہر تک سنی گئی ہے۔ بھئی کھیل میں ایسا ہوتا ہے۔ اس طرح چیخنا نہیں چاہیے۔ ہم تو میراں کا دل بہلانے کے لیۓ ایسا کر رہے ہیں۔"

پھر میَر نے کارڈلیس فون پر سیکورٹی افسر سے کہا۔" پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ابھی فائرنگ کی بھی آوازیں سنائی دیں گی۔ ہمیں بار بار فون کے ذریعہ ڈسٹرب نہ کرنا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ وہاں اب تک ایک کے منہ پر گھونسا پڑا تھا۔ دوسرے کے دماغ میں زلزلہ پیدا ہوا تھا۔

میجر اور میرَ فون پر اپنی مرضی سے بول نہیں پا رہے تھے۔ اور یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ کسی طرح بھی باہر سے امداد حاصل کر سکیں گے۔ ان سب کو کبریا اور بابر کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔ میرَ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔" میری بیٹی پر رحم کرو۔ تم میراں کو یہاں سے نہیں لے جاؤ گے تو وہ میری بیٹی کو رہا نہیں کرے گا۔"

"میراں بھی ایک مولوی کی بیٹی ہے۔ تم اپنی بیٹی کو دلدل سے نکالنے کے لئے دوسرے کی بیٹی کو وہاں بھیجنا چاہتے ہو۔"

"ہم پر بھروسہ کرو۔ ہم جے رینڈم کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے آدمی میراں کو اس کے پاس لے جائیں گے۔ تمہارے جاسوس بھی اس کے خفیہ اڈے تک پہنچ جائیں گے۔ ہم میراں کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔"

کبریا نے کہا۔" چھوٹے! ہمیں بھی جے رینڈم تک پہنچنا اور اس کا قصہ تمام کرنا چاہئیے۔ تم میراں کو یہاں سے لے چلو۔"

بابر نے کہا۔" صاحبو! میرے دماغ میں بڑا بول رہا ہے اس کے مشورے کے مطابق میں میراں کو یہاں سے لے جاؤں گا۔ لیکن میرَ اور میجر ساتھ چلیں گے۔ اگر میراں کو ذرا سا بھی نقصان پہنچے گا۔ تو ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میرَ نے کہا۔" میں ساتھ چلوں گا۔ مجھے صرف اپنی بیٹی کی سلامتی چاہئیے۔

پلیز ابھی میراں کو باہر لے چلو۔"

ٹی وی ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بابر نے اسے آپریٹ کیا۔ اسکرین روشن ہوگیا۔ ریچھ کی طرح بڑے بڑے بالوں والا جے رینڈم نظر آیا۔ اس نے کہا۔" میرا ابھی تک میراں کو بنگلے سے باہر نہیں نکالا گیا ہے۔ کیا تم اپنی بیٹی کی واپسی نہیں چاہتے ہو؟"

"چاہتا ہوں۔ ہم باہر نکل رہے ہیں۔ نادیدہ بابر کی شرط ہے کہ میراں کے ساتھ مجھے اور میجر کو بھی رہنا ہوگا۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟

"اعتراض اس صورت میں نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ سیکورٹی نہ ہو اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہو۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، بالکل نہتا رہوں گا اور ہمارے ساتھ سیکورٹی بھی نہیں رہے گی۔ لیکن مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے میری بیٹی کو رہا کردیا ہے۔"

"میراں کو اس بنگلے سے نکالنے کے آدھے گھنٹے بعد اپنی وائف کو فون کرو۔ تمہیں وائف کے ساتھ بیٹی کی بھی آواز سنائی دے گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ سب باہر جانے کے لئے اٹھ گئے۔ میراں بھی تیار تھی۔ بابر نے کہا۔" میرا اور میجر! ہم تمہیں گن پوائنٹ پر نہیں لے جائیں گے لیکن تم دونوں کہیں دھوکہ دینے کی حماقت کروگے تو تمہارے دماغوں میں ٹیلی پیتھی کے زلزلے پیدا ہوں گے۔

اپنی قبر میں جاکر چھپو گے تب بھی ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے بچ نہیں پاؤ گے۔"

میراں ان کے ساتھ باہر آگئی۔ پہلے کی طرح ایک کار میں تنہا بیٹھ گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بابر آگیا۔ دوسری کار میں میئر اور میجر بیٹھ گئے۔

کبریا نے ان سے کہا۔"یہ کبھی نہ بھولنا کہ تمہارے دماغوں میں زلزلہ سو رہا ہے۔ تمہاری کسی بھی حماقت سے بیدار ہوجائے گا۔ میں بار بار تمہیں اپنی آواز نہیں سناؤں گا۔"

وہ دونوں کاریں وہاں سے چل پڑیں۔ باقی بڑے عہدیدار پیچھے رہ گئے۔ کبریا نے بابر کے پاس آکر کہا۔" چھوٹے! وہ جے رینڈم یوگا کا ماہر ہے۔ میں اس کی آواز سنتے ہی اس کے دماغ میں پہنچا تھا۔ مگر اس نے فوراً سانس روک لی تھی۔"

" بڑے! فکر نہ کر۔ میں اس کی سانس ہمیشہ کے لئے روک دوں گا۔ بس ایک بار اس سے سامنا ہو جائے۔ ویسے ہمیں کہاں چلنا چاہئیے؟"

" مسجد کی طرف چلو۔ بیٹی کو باپ کے پاس پہنچائیں گے۔ میں میئر کے پاس جارہا ہوں۔"

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد میئر نے اپنی وائف کو فون پر مخاطب کیا۔ پھر پوچھا۔" کیا ہماری بیٹی واپس آگئی ہے؟"

" واپس؟" بیوی نے حیرانی سے پوچھا۔ بیٹی کہاں سے واپس آئے گی

وہ تو شام ہی سے گھر پر ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا اسے اغوا نہیں کیا گیا تھا؟"

"اغوا ہوں ہماری بیٹی کے دشمن۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"میں نے اپنی آنکھوں سے ٹی وی اسکرین پر دیکھا ہے۔ وہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اسے ایک ریچھ جیسے بالوں والے نے قیدی بنایا ہے۔ میں اس کا مطالبہ مان لوں گا تو اسے رہائی مل جائے گی۔"

بیوی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ "بیسویں صدی کی ایک مشہور خاتون جاسوسی ناول نگار کے ایک ناول کے یہ مکالمے ہیں، جو میری بیٹی کہہ رہی تھی آج ٹیلیویژن کی ٹیلینٹس ہنٹنگ ٹیم آئی تھی۔ اس نے ہماری بیٹی کو یہ مکالمے ادا کرنے کو کہا۔ آپ جانتے ہیں، بیٹی کو ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ اس نے بڑی کامیابی سے رو رو کر یہ مکالمے ادا کئے تھے۔ اسے ڈرامے میں ہیروئن کے لئے منتخب کرلیا گیا ہے۔"

"نان سنس، وہ ٹی وی والوں کی ٹیم نہیں تھی۔ ہماری بیٹی کی جو مختصر سی ویڈیو فلم بنائی گئی، وہ مجھے دھوکہ دینے کے لئے تھی۔ ایک چالاک مجرم نے ایسا کیا ہے۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ جھنجلا کر منیجر سے بولا۔ "میں پہلے ہی وائف کو فون کر کے بیٹی کی خیریت معلوم کرلیتا تو بے رینڈم کے جھانسے میں نہ آتا۔"

کبریا نے بابر کے پاس آکر بتایا کہ جے رینڈم نے کس طرح عیاری سے میئر کو بے وقوف بنایا ہے۔ بابر نے کہا۔" ہم شاید مسجد تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہمارے آگے پیچھے دو گاڑیاں بڑی دیر سے چلی آرہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ ان سے ذرا سلام کلام کرو۔ تاکہ مجھے راستہ ملے۔"

بابر نے کمپیوٹر کے ذریعہ کار کی رفتار تیز کی۔ میراں نے اگلی کار کے برابر ہوتے ہی ڈرائیو کرنے والے سے پوچھا۔" کیا مجھے لینے آئے ہو؟"

اس گاڑی کے ڈرائیور نے جواب دیا۔" ہاں گاڑی ایک طرف روکو۔ اپنے نادیدہ ساتھی سے کہو، وہ کوئی گڑبڑ کرے گا تو تمہاری جان جائے گی۔"

میراں نے اپنا سر تھام کر کہا۔" میں ابھی دوسری گاڑی والے سے کیوں خواہ مخواہ بول رہی تھی؟"

بابر نے کہا۔" تم بڑے کی مرضی سے بول رہی تھیں۔ وہ تمہارے ذریعہ دشمنوں کے اندر پہنچ چکا ہوگا۔"

کبریا پہنچ چکا تھا۔ ڈرائیور اس کی مرضی کے مطابق موبائل پر اپنے پچھلی کار والے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔" میں نے ابھی میراں سے بات کی ہے۔ اس کی آواز بڑی سریلی ہے۔"

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔ ہم اہم مشن پر ہیں اور تم سریلی آواز کی

تعریف کر رہے ہو۔"

کبریا اس دوسری گاڑی والے کے اندر پہنچ گیا۔ اس گاڑی کے پیچھے ایک آئیل ٹینکر آرہا تھا۔ اور ہارن بجا بجا کر اس گاڑی سے آگے نکلنا چاہتا تھا۔ کبریا نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ ڈرائیور نے اچانک ہی گاڑی کو اس طرح موڑا کہ وہ گھوم کر آئیل ٹینکر سے ٹکرا گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ اس راستے کا ٹریفک رکنے لگا۔ کبریا اگلی گاڑی کے ڈرائیور کے پاس آیا۔ ڈرائیور نے ٹیلی پیتھی کے زیر اثر آتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھائی پھر اسے اچانک ٹرن دے کر فٹ پاتھ پر چڑھتا ہوا ایک بڑی دکان کے شوکیس کو توڑتا ہوا دور تک دکان کے اندر گھستا چلا گیا۔ اس نے بابر کے اندر آکر کہا۔ "جے رینڈم کے پیچھا کرنے والے حواریوں سے عارضی طور پر پیچھا چھٹ گیا ہے۔ اگر تم میراں کو ہماری رہائش گاہ لے جاؤ گے تو ہم سب کو سونے اور آرام کرنے کا موقع ملے گا۔ دشمنوں کو ہماری رہائش گاہ کا علم نہیں ہے" بابر کار کمپیوٹر کو نئی منزل اور نئے راستے فیڈ کرنے لگا۔ کبریا نے میئر کے پاس آکر اسے اور میجر کو دوسرے راستوں پر جانے کے لئے مجبور کیا۔ اس طرح وہ بھی نہ جان سکے کہ کہاں لے جایا جارہا تھا۔ پہلے سوچا گیا تھا کہ بیٹی کو باپ کے پاس پہنچایا جائے گا۔ لیکن وہاں بھی میراں دشمنوں کی نظروں میں رہتی۔ اب حالات ایسے ہوگئے کہ دشمن ان کا تعاقب کر کے کبریا اور بابر کی رہائش گاہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے بابر، میراں کو لے کر اپنے بنگلے میں پہنچ گیا۔

وہاں کبریا جسمانی طور پر موجود تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر کہا۔
"ہیلو میراں، کیا مجھے پہچان سکتی ہو؟"
"تمہاری آواز پہچان رہی ہوں۔ تم کبریا ہو نا؟"
"خوب پہچانا۔ اندر آؤ ہماری اس رہائش گاہ کا علم کسی کو نہیں ہے۔ تم یہاں آرام سے رہو گی۔"
وہ اندر آکر بولی۔ "کیا میرے ابا یہاں رہتے ہیں؟"
"وہ مسجد کے حجرے میں آرام سے سو رہے ہوں گے۔ کچھ دنوں تک تمہیں اپنے ابا سے دور رہنا چاہئیے۔ یہاں روپوش رہو گی تو دشمن تمہیں ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے۔"
وہ ایک بیڈروم میں آئے۔ کبریا نے کہا۔ "یہ تمہارا کمرہ ہے۔ دروازہ اندر سے بند کر کے سو جاؤ۔"
وہ وہاں سے چلا گیا۔ میراں نے دروازہ بند کرنے سے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر دھیمی آواز میں پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟"
"میں تو باڈی گارڈ یعنی تمہارے بدن کا محافظ ہوں۔ اس بدن کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔"
وہ مسکرا کر بولی۔ "بے شک، میں ہمیشہ فخر کروں گی، میرے جیسا باڈی گارڈ دنیا میں کسی کا نہ ہوگا۔ لیکن جناب! میں دروازہ اندر سے بند کر لوں گی تو مجھے آپ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

لیکن اس نے سانس روک لی۔ کبریا نے دوسری بار کوشش کی۔ میراں کے دماغ کو لاک کر دیا گیا تھا۔ وہ گارسن کے تنویمی عمل کے زیر اثر تھی۔ اس لیے کبریا کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک رہی تھی۔

کبریا نے میر ہے کے دماغ میں کہا۔ "گارسن! تم نے آتے ہی میرے خلاف بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔ میراں کو ہم سے دور کر کے کیا چاہتے ہو؟"

گارسن نے کہا۔ "اس مولانا کے ساتھ تمہیں اور نادیدہ بابر کو شہر بدر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم لوگ۔۔۔۔"

کبریا نے بات کاٹ کر کہا۔ "پہلے میں اپنا فرض ادا کروں گا۔ پھر میراں کے بارے میں تم سے بات کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی ڈمی کے دماغ میں آیا۔ پھر مائیک کے ذریعہ کہنے لگا۔ "میں کبریا فرہاد ویسٹ بے سٹی کے شہریوں کو مخاطب کر رہا ہوں۔ آج صبح آپ نے پہلی بار پورے شہر میں اذان کی آواز سنی۔ یہاں جو ہندو، عیسائی وغیرہ ہیں۔ انہیں بھی اپنے دھرم ار مذہب کے پرچار کا اسی طرح حق ہے۔ ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور ہمارا دین ہمارے ساتھ۔ قرآن مجید کے اس اہم نکتے کے مطابق آپ اپنے اپنے مذہب کا پرچار کریں گے تو ہمارا مذہب آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ مولانا عبدالحق نے اس شہر میں آکر پہلی بار پورے شہر میں جس طرح اذان نشر کی ہے۔ آپ بھی اپنا اپنے مذہبی

حوصلوں کا مظاہرہ کریں۔ اور یہاں مذاہب کے خلاف جو قوانین ہیں۔ اسے جاری نہ رہنے دیں۔ ہم تمام مذاہب کے لوگ متحد ہوکر یہاں اپنے اپنے دین کو محترم بنانے کے لئے قوانین بنا سکتے ہیں۔ اور یہاں کی انتظامیہ سے وہ قوانین تسلیم کرا سکتے ہیں۔"

کبریا نے پرائی لہروں سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ پھر سانس روک لی۔ میئر کے پاس آکر بولا۔ "ابھی گارسن میرے دماغ میں آنا چاہتا تھا۔ وہ میرے معاملے میں کیوں مداخلت کر رہا ہے؟"

گارسن نے کہا۔ "تم دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی ہمارے قوانین کے خلاف بھڑکا رہے ہو۔ اپنی یہ تقریر بند کرو۔"

"تم نے ہمارے خلاف ایک چال چلی ہے۔ میراں کو یرغمال بنایا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو؟"

"میں نے میراں کو تم سے دور کر دیا۔ تم اس بات کو اہمیت نہیں دے رہے ہو۔ کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ ہم میراں کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟"

"صرف ایک میراں کو نقصان پہنچے گا تو اس شہر کے کئی اکابرین اس میئر کے ساتھ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ اب تم سوچو۔ ہم ایک میراں کا نقصان اٹھا کر اس شہر کی پوری انتظامیہ کو مفلوج کر دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی ڈمی کے اندر آیا۔ اور اس شہر کے تمام مذاہب کے

اور انہیں مجبور کرتا رہا تھا کہ وہ وائرلیس اسپیکر خرید کر اپنی اپنی چھتوں پر لگائیں۔ یوں صبح سے پہلے ہزاروں بنگلوں اور عمارتوں کی چھتوں پر اسپیکر لگ چکے تھے اور اب ان میں سے آوازیں گونجتی ہوئی ایک ایک شہری کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ میئر، پولیس افسران، فوجی افسران اور انٹیلیجنس سے تعلق رکھنے والے بھی ہڑبڑا کر کچی نیند سے بیدار ہو گئے۔ اپنے قریب اذان کی آواز سن کر حیران ہو رہے تھے۔ مسجد کسی کے بنگلے سے بیس کلو میٹر کسی کی رہائش گاہ سے پچیس تیس کلو میٹر دور تھی۔ لیکن اذان اپنے قریب اسپیکر سے سنائی دے رہی تھی۔ ان کے ملازم بتا رہے تھے کہ چھتوں پر اسپیکر لگے ہوئے ہیں۔ ان ہی سے آواز گونج رہی ہے۔

تمام اکابرین فون کے ذریعہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کیسے ہو گیا؟ شہر کے ہر حصے میں اسپیکر کس طرح لگائے گئے ہیں؟ پولیس اور انتظامیہ نے چھتوں پر لگے ہوئے اسپیکر کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟

اذان کے اختتام پر مولانا کی آواز گونجنے لگی۔ "مجھے ہے حکم اذاں لاالہ الا اللہ اور میں اس حکم کی تعمیل فجر کی اذان سے کر رہا ہوں۔ بیسویں صدی سے یہ حقیقت عالمی ریکارڈ میں ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ گونجنے والی آواز اذان کی ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے۔ اے مسلمانو! اپنے دین کی عظمت کو پہچانو۔ آج مدتوں بعد فجر کی اذان نے پورے شہر کے مسلمانوں کو بیدار

کیا ہے۔ اس بیداری کو قائم رکھو اور نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں آؤ۔ جن کی رہائش مسجد سے دور ہے، وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔ میں اس لاوڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز پڑھاتا رہوں گا۔"

ایک ذرا وقفہ سے کبریا فرہاد کی آواز سنائی دی۔" مولانا عبدالحق نماز شروع کرنے والے ہیں اس سے قبل میں شہر کی پولیس اور انتظامیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے دینی فرائض کی ادائیگی کے دوران کسی بھی چھت سے اسپیکر نہ ہٹائیں۔ کسی مسلمان کو پریشان نہ کریں۔ ورنہ نیلی پیتھی کا ہتھیار چشمہ زدن میں ان کی شہ رگوں تک پہنچے گا۔ پھر اس شہر میں ایسے فسادات اور ہنگامے برپا ہوں گے کہ امن وامان بحال کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ اسے نصیحت سمجھ لو یا وارننگ۔"

نصیحت میں لپٹی ہوئی وارننگ سب نے سنی۔ شہر کے اکابرین کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ دو ہزار مسلح پولیس اور درجنوں افسران کو حکم دیا گیا کہ مسجد کا محاصرہ کریں۔ مسلمانوں کی عبادت کے دوران مداخلت نہ کریں۔ نماز کے اختتام پر مولانا عبدالحق کو مسجد سے باہر آتے ہی گرفتار کرلیا جائے مگر گرفتار کرنے والے کثیر تعداد میں گونگے بن کر رہیں۔ کیونکہ کبریا بولنے والوں کی آوازیں اور لہجے سن کر ان کے دماغوں میں پہنچ جاتا ہے۔

اجلاس میں میئر نے تشویش کا اظہار کیا۔" آج ایک مولوی نے پورے شہر میں اپنے مذہب کے لئے اسپیکر استعمال کیا ہے۔ جبکہ تمام مذاہب

کے پیشواؤں کو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاتی ہے
اب دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اجازت بغیر لاؤڈ اسپیکر استعمال
کریں گے۔ اس پر امن شہر میں باغیانہ قوتیں ابھریں گی۔ روس اور
چین کے لئے یہ شہر بہت اہم ہے۔ وہ امریکی فوج کو اس شہر میں راستے
آنے سے روک سکتے ہیں۔ کیونکہ امریکی فوج اسی راستے سے باآسانی
روس اور چین تک پہنچ سکتی ہے۔ ہم روس اور چین کے شر پسند
ایجنٹوں کو اس شہر میں بغاوت پھیلانے کا موقع نہیں دیں گے۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔" روس اور چین اس موقع سے ضرور فائدہ
اٹھائیں گے لیکن ابھی تو یہ مسئلہ ہے کہ اس اذان دینے والے مولوی
کا منہ کیسے بند کیا جائے؟ ہزاروں عمارتوں کی چھتوں سے لاؤڈ اسپیکر
کیسے ہٹائیں جائیں؟ اس مولوی کے پیچھے ٹیلی پیتھی کی طاقت ہے۔ وہ
کبریا فرہاد جب تک اس شہر میں رہے گا، ہماری فوجی قوتوں پر غالب آتا
رہے گا۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔" بیسویں صدی میں بے شمار ٹیلی پیتھی
جاننے والے تھے۔ امریکہ میں ایک ٹرانسفارمر مشین تھی۔ جس کے ذریعہ
ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا کئے جاتے تھے۔ موجود امریکی حکام نے کسی
مصلحت کی بنا پر اس ٹرانسفارمر مشین کو کہیں چھپا دیا ہے۔"

دوسرے اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔" اتنی اہم مشین سے فائدے اٹھائے
جاتے ہیں، انہیں بند کر کے نہیں رکھا جاتا۔ ہم امریکہ کے تحت ہیں۔

لیکن امریکی حکومت کے راز نہیں جانتے ہیں۔ اس ملک میں بڑے اہم افراد کو ٹیلی پیتھی سکھا کر اہم معاملات میں استعمال کیا جارہا ہوگا۔ اگر ہم امریکی حکومت سے امداد کے طور پر ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کی خدمات حاصل کریں تو کبریا فرہاد کو زیر کرنا کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

ایک یہودی عہدیدار نے کہا۔" بیسویں صدی کی ٹیلی پیتھی جاننے والی ایک آنٹی بھی اسرائیل میں موجود ہے اور الیا کی ایک خیال خوانی کرنے والی اینی ڈیسوزا بھی تل ابیب میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ الیا ہمارے شہر کے حالات سے باخبر رہی ہوگی اور ٹیلی پیتھی کے ذریعہ کبریا فرہاد کی مصروفیات کو سمجھ رہی ہوگی۔"

خارجی امور کے اعلیٰ افسر نے کہا۔" میں نے پچھلی رات امریکی سفیر سے ملاقات کی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ بیسویں صدی میں کئی امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والے باغی ہوکر دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے۔ ان میں سے ایک مجرم باغی ٹیلی پیتھی جاننے والا سلاٹر سول پاکستان کی طرف گیا تھا۔ ایک اندازہ ہے کہ وہ ہمارے اس ویسٹ بے سٹی کے جغرافیائی اور سیاسی حالات سے فائدہ اٹھا رہا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا سلاٹر سول یہاں کبریا کی طرح ہمارے لئے مسائل پیدا کرے گا۔"

اجلاس کے اختتام پر یہ طے پایا کہ امریکی حکومت سے ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ اور یہودی اعلیٰ عہدیدار

نے وعدہ کیا کہ وہ اسرائیلی حکومت سے الیا کی خدمات حاصل کرے گا۔

ٹیلی پیتھی ایک ایسا غیر معمولی اور سب سے زیادہ طاقت ور ہتھیار ہے، جو کسی دور میں، کسی صدی میں ختم نہیں ہو سکتا۔ اب بھی دنیا کے کئی حصوں میں ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود تھے اور مصروف تھے۔ فرہاد کی فیملی کے خیال خوانی کرنے والے بھی تھے، جن میں سے ایک کبریا فرہاد تھا۔ یہ کبریا اس شہر میں پہلا خیال خوانی کرنے والے کی حیثیت سے ظاہر ہوا تھا۔ کچھ ایسے خیال خوانی کرنے والے بھی تھے جو خاموشی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ ایک امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والا وہاں بڑی راز داری سے امریکی مفادات کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسرائیلی الیا اور اینی ڈیسوزا خیال خوانی کے ذریعہ وہاں آتی رہتی تھیں اور یہودی مفادات کی اس طرح نگرانی کرتی تھیں کہ مخالف ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے الیا اور اینی ڈیسوزا نے کبریا کے معاملہ میں مداخلت نہیں کی تھی۔

ان کے علاوہ ٹیلی پیتھی جاننے والا سلاٹر سول بھی موجود تھا۔ خیال خوانی کے ذریعہ کبھی مولانا عبدالحق کے اندر جا کر کبریا کی مصروفیات معلوم کر رہا تھا اور اب میراں کے دماغ میں پہنچ کر یہ معلوم کر چکا تھا کہ وہ کبریا اور بابر کی رہائش گاہ میں چھپی ہوئی ہے۔ اور وہ سلاٹر سول پُراسرار باس جے رینڈم کی حیثیت سے ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بڑا مطمئن تھا کہ جب چاہے گا، میراں کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے پاس کھینچ لائے گا۔

ابھی وہ ٹیلی پیتھی کا علم چھپا کر اس موقع کی تلاش میں تھا کہ کبریا فرہاد کو ٹریپ کرے اسے شکنجہ میں لینے کے بعد نادیدہ بابر خود ہی اس کے شکنجے میں پھنسا چلا آئے گا۔

الیا کی پلاننگ یہی تھی، وہ کبریا کو ختم کر دینے کے مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے بعد میراں کو اغوا کرا کے نادیدہ بابر کو میراں کے پیچھے لگا کے اس شہر سے دور جانے پر مجبور کر دے گی۔

امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والا جان گارسن ویسٹ بے سٹی میں ایک عام شہری کی طرح رہتا تھا۔ وہ بھی کبریا کو بلیک کرنا اور بابر کو اس شہر سے بھگانا چاہتا تھا۔ لیکن ایسی راز داری سے کہ فرہاد اور اس کے دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو امریکہ پر شبہ نہ ہو۔ اس شہر ظلمات میں مولانا نے آسانی سے اذان دی تھی اور وہاں کے اکابرین کو مجبور اور بے بس کر دیا تھا۔ دراصل وہ دشمن عارضی طور پر بے بس ہوئے تھے۔ ابھی ان دشمنوں کا بھی پلڑا بھاری ہونے والا تھا۔ کبریا اور بابر نادان نہیں تھے۔ اس دور میں کتنے ٹیلی پیتھی جاننے والے تھے، ان کی تعداد جانتے تھے۔ یہ بھی سمجھتے تھے کہ امریکہ اور اسرائیل کے ٹیلی پیتھی جاننے والے اپنے اپنے ملک کے مفادات کے لئے وہاں موجود ہوں گے۔ ان دونوں چھوٹے اور بڑے نے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں کو روپوشی کے پردوں سے نکالنے اور انہیں مقابلے پر مجبور کرنے کے لئے پورے شہر میں اذان کی آواز پہنچائی تھی۔ انہیں سوچنے پر مجبور کیا

تھا کہ کبریا کے ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کو نہ روکا گیا تو وہ شہر ظلمات میں ایمان کا نور پھیلاتا جائے گا۔

وہ فجر کی اذان ایک بہت بڑا چیلنج تھی۔ اب دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے ظاہر ہو سکتے تھے اور کبریا کو دیکھتے ہی گولی مار سکتے تھے۔ اس سے پہلے ہی کبریا نے اپنی ایک ڈمی کبریا کو بابا صاحب کے ادارے سے بلا لیا تھا۔ فرہاد اور آمنہ فرہاد پس پردہ رہ کر اپنے بیٹے اور پوتے کے لئے بہت کچھ کر رہے تھے۔ مسجد کو ہزاروں مسلح سپاہیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ایک افسر وائرلیس اسپیکر کے ذریعہ کہہ رہا تھا۔ "نماز ہو چکی ہے۔ ہم قانون کے نام پر مولوی عبدالحق سے کہتے ہیں کہ وہ مسجد سے باہر آکر گرفتاری پیش کرے۔"

مولانا عبدالحق کے ساتھ ڈمی کبریا تھا۔ اس نے مسجد کی سیڑھیوں کے پاس ہزاروں مسلح سپاہیوں کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "تم مولانا صاحب کو کس جرم میں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟"

"اس مولوی نے قانون کے خلاف پورے شہر میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کر کے شہریوں کا آرام و سکون برباد کیا ہے۔ عدالت فیصلہ دے گی کہ مولوی کو اس جرم کی کیا سزا دی جائے۔"

"اللہ اور رسولؐ کے پاک ناموں کو نفس نفس پہنچانا جرم نہیں ہے۔ اپنا قانون بدل دو۔ ہمیں مذہبی آزادی دو۔ ورنہ ہمارا مذہب حاوی ہوگا تو تم کافروں کے لئے اس شہر کی زمین تنگ ہو جائے گی۔"

اسی وقت اس بھیڑ سے ایک گولی چلی۔ سیدھی کبریا کے سینے پر آکر لگی وہ مسجد کے صحن میں گرا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ مجمع کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا سمجھے؟ بلٹ پروف ہوں۔ مگر تم لوگ نہیں ہو۔"

اصل کبریا نے افسر کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ افسر نے اپنی گن سے تڑاتڑ گولیاں چلانی شروع کردی۔ کئی سپاہی چیخیں مارتے ہوئے گرے پھر باقی نے افسر کو چاروں طرف سے جکڑ لیا۔ اس سے گن چھین لی۔

ڈمی کبریا نے کہا۔ "ہم پر اچانک گولیاں چلانے والوں کے لئے یہ وارننگ ہے۔ اگر مولانا صاحب کو کچھ ہوگا تو سب سے پہلے اس شہر کا میئر اور فوج کے دو سب سے بڑے عہدیدار مارے جائیں گے۔ مولانا صاحب کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ میں انھیں اپنی گاڑی میں تمہاری عدالت تک لے جارہا ہوں۔"

وہ مولانا کا ہاتھ تھام کر سیڑھیاں اتر کر ایک کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اسرائیلی خیال خوانی کرنے والی اینی ڈیسوزا ایک افسر کے دماغ میں موجود تھی۔ اسی نے کبریا پر گولی چلائی تھی اور ناکام ہوئی تھی۔ دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والے جان گارسن اور جے رینڈم (سلاٹر سول) محتاط ہوگئے تھے۔ وہ کبریا کی چال سمجھ گئے تھے۔ وہ بلٹ پروف لباس کے ذریعہ اپنا بچاؤ کررہا تھا اور دشمنوں کو تاڑ رہا تھا۔
عقل انھیں یہ بھی سمجھا رہی تھی کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد کا بیٹا منظر عام پر گولیاں کھانے یا گرفتار ہونے نہیں آئے گا۔

وہ جو مولانا کے ساتھ ہے ڈمی کبریا ہو سکتا ہے۔

اس لئے اب وہ مولانا کے ساتھ رہنے والے کبریا کو نقصان نہیں پہنچا رہے تھے۔ الیا نے اینی سے کہا۔ "اب کسی کے اندر جاکر گولی نہ چلانا ویسٹ بے سٹی کے اکابرین بھی مر جائیں گے وہ دشمن پھر بھی زندہ ہی رہے گا۔"

اینی نے کہا۔ "کبریا کے چہرے پر بلٹ پروف ماسک نہیں ہے اگر اس کی پیشانی پر گولی ماری جائے تو اس کا کام تمام ہو جائے گا۔"

"جو تم سوچ رہی ہو، وہی کبریا نے بھی سوچا ہو گا کہ اس کی پیشانی پر گولی ماری جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود وہ منظر عام پر ہے۔ کیا وہ جان بوجھ کر اس بھیڑ میں مرنے آیا ہے؟ کیا وہ کبریا کی ڈمی نہیں ہو سکتا؟"

اینی نے چونک کر کہا۔ "اوہ گاڈ! ہو سکتا ہے۔ اگر میں نے ڈمی کو مارا تو اصلی زندہ رہے گا۔"

الیا نے کہا۔ "اصلی کبریا خیال خوانی کے ذریعہ اپنی ڈمی اور مولوی کے پاس موجود ہو گا۔ ہمیں میراں کے اندر پہنچ کر معلوم کرنا چاہیے کہ وہ نادیدہ بابر کہاں ہے؟ ایسا کرو۔ تم مولوی اور کبریا کی نگرانی کرو میں میراں کے پاس جا رہی ہوں۔"

وہ خیال خوانی کی پرواز کر کے میراں کے اندر آئی۔ اس کے دماغ میں کبریا کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ باہر گاڑی اور ڈرائیور موجود ہیں۔

تم چلی آؤ۔"

وہ بولی۔ "لیکن کبریا، تم اور بابر یہ کہہ کر گئے تھے کہ میں کسی بھی حال میں بنگلے سے باہر نہ نکلوں۔"

"بے شک ہم نے کہا تھا۔ مگر حالات بدل گئے ہیں۔ تمہیں دوسری جگہ چھپاکر رکھا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہی ہوں۔ مگر یہ بتاؤ، تمہاری طرح کوئی دوسرا یہاں ٹیلی پیتھی جاننے والا تو نہیں ہے؟"

"میرے سوا کوئی خیال خوانی کرنا نہیں جانتا ہے۔ وقت برباد نہ کرو۔ فوراً باہر آؤ۔"

وہ اپنا پرس اٹھاکر تیزی سے چلتی ہوئی بنگلے کے باہر آئی۔ ایک کار کے پاس ڈرائیور کھڑا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی۔ کار اسٹارٹ ہوئی۔ پھر بنگلے کے احاطے کے باہر جاکر رک گئی۔

اس کے رکتے ہی دونوں طرف کے دروازے کھول کر دو شخص آئے۔ ایک کے ہاتھ میں گن تھی۔ وہ غراتے ہوئے بولا۔ "ذرا بھی آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔"

دوسرے شخص نے میراں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تاکہ کبریا کسی وقت اس کے دماغ میں آکر ان راستوں کو نہ پہچان سکے،

جہاں سے اسے لے جایا جانے والا تھا۔ جس گن مین نے میراں کو دھمکی دی تھی۔ الیا اس کے دماغ میں پہنچ گئی معلوم ہوا کہ وہ اور اس کا ساتھی امریکن ہیں۔ اور کوئی نامعلوم باس ان کے دماغوں میں آکر اپنے احکامات کی تعمیل کراتا رہتا ہے۔ ابھی وہ باس کے حکم کے مطابق وہ اسے نکسن روڈ کے ایک بنگلے کے تہہ خانے میں لے جارہے تھے۔ اس طرح الیا کو معلوم ہو گیا کہ ایک امریکی ٹیلی پیتھی جاننے والا ایسی سرگرمی دکھا رہا ہے۔ اس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ وہ پھر کبھی معلوم کر سکتی۔ الیا کو میراں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر کوئی دوسرا اسے اغوا کر رہا تھا تو یہ اس کے منصوبے کے مطابق تھا۔ اس نے سوچا جب میراں کو اس شہر سے دور لے جانے کا وقت آئے گا تو وہ بابر کو اس کے پاس پہنچا دے گی۔ اس طرح بابر بھی اس شہر سے نکل جائے گا۔ میراں کو اس بنگلے کے تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ آنکھوں سے پٹی ہٹا دی گئی۔ وہ غصہ سے پوچھنے لگی۔ "کون ہو تم لوگ؟ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تم سب آخر کب تک مجھے ایک دوسرے سے چھینتے رہو گے۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ اس کے دماغ میں آواز آئی۔ "اب تمہیں کوئی نہیں چھین سکے گا۔ میں ابھی تنویمی عمل کے ذریعہ تمہارے دماغ کو لاک کر دوں گا۔ پھر کوئی خیال خوانی کرنے والا تمہارے دماغ میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔"

"کیا تم کبریا کی آواز میں بول رہے تھے؟"

کیا کبریا کے علاوہ دوسرے بھی ٹیلی پیتھی جانتے ہیں؟"

"ہاں جانتے ہیں۔ مگر کوئی تمہارے اندر نہیں آسکے گا۔ چلو بستر پر لیٹ جاؤ۔ میں تنویمی عمل کروں گا۔"

میراں کے دماغ میں جے رینڈم کی آواز ابھری۔ "نہیں اس کے دماغ کو لاک نہ کرو۔ میں اس کا عاشق ہوں۔ میرے آنے جانے کے لئے اس کے دماغ کا دروازہ کھلا رکھو۔" "تم؟ تم کون ہو؟"

"تم مجھے نہیں جانتے۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم امریکن ہو اور تمہارا نام جان گارسن ہے۔"

"اوہ گاڈ! میں کبھی سرعام خیال خوانی نہیں کرتا۔ اس کے باوجود تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"یہ بتانے کی بات نہیں ہے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میں اسرار کے پردوں میں چھپ کر رہتا ہوں۔ میرے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ لیکن میں تم لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہتا ہوں۔"

الیا نے کہا۔ "ہیلو سلاٹر سول عرف جے رینڈم! زیادہ پراسرار نہ بنو۔ میں چھتیس (۳۶) برسوں سے خیال خوانی کرتی آرہی ہوں۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ تمہارے جیسے بوڑھے طوطے میری نظروں میں رہتے ہیں۔"

جے رینڈم نے کہا۔ "الپا! میں سمجھ رہا تھا، تم نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ مگر پتہ نہیں، تم کن ذرائع سے میرے متعلق معلومات رکھتی ہو؟"

"ہم انسانوں کی طرح تمہیں اپنی کمزوری نظر نہیں آتی ہے۔ یہ میرے لئے اچھا ہے اور تمہارے لئے برا ہے۔"

جے رینڈم نے جان گارسن سے کہا۔ "مسٹر گارسن! تم آج کسی وقت میرے دماغ میں آؤ۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں تمہیں میری ذات سے فائدہ پہنچے گا۔"

گارسن نے کہا۔ "اچھی بات ہے، میں آؤں گا۔"

الپا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں اندازہ کر سکتی ہوں کہ تم دونوں کیسی کھچڑی پکاؤ گے۔ بہر حال میں جا رہی ہوں۔ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد آتی رہوں گی تاکہ تم دونوں میراں کے دماغ کو لاک نہ کر سکو۔"

"الپا! ہمارے درمیان جو اختلافات ہیں۔ انھیں بھلا دو۔ اگر ہم میراں کے دماغ کو لاک نہیں کریں گے تو کبریا اس سے رابطہ کرتا رہے گا۔"

الپا نے کہا۔ "میں مانتی ہوں ہمیں اپنے اختلافات بھلا کر کبریا کا راستہ روکنا چاہئیے اور اس کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اس پر تنویمی عمل کرنے کے دوران ہم تینوں اس کے دماغ میں موجود رہیں اور ہم تینوں کے لب و لہجے اس کے ذہن میں نقش ہوں تاکہ دماغ لاک ہونے کے بعد صرف ہم تینوں اس کے اندر آتے جاتے رہیں۔"

تینوں نے یہی متفقہ فیصلہ کیا۔ میراں انکار کرتی رہی کہ بستر پر نہیں
سوئے گی۔ تنویمی عمل نہیں کرنے دے گی۔

لیکن ٹیلی پیتھی کے زیر اثر آکر گہری نیند سو گئی۔ پھر اسے خبر نہ رہی
کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ بابر نے جوتوں سے لے کر گردن
تک لباس پہن لیا تھا۔ اپنے چہرے پر ماسک چڑھا کر میک اپ کیا تو
پیشانی، ناک، منہ اور کان سب واضح ہو گئے تھے۔

آنکھوں کے پپوٹے اور پلکیں بن گئی تھیں۔ ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کے
ڈیدوں اور پتلیوں کو آنکھوں کے حلقوں میں لگایا تھا۔ اس طرح مکمل
آنکھیں واضح ہو گئی تھیں۔ سر پر وگ پہننے کے بعد سر سے پاؤں تک
کوئی کمی نہیں رہی تھی۔

ہاتھوں میں باریک جھلیوں والے دستانے تھے۔ وہ نادیدہ پوری طرح
دیدہ ہو گیا تھا۔

اس نئے روپ میں وہ صبح مسجد کی سیڑھیوں کے پاس گیا تھا کبریا کی
ڈمی کو مولانا کے ساتھ کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھتا رہا تھا۔ اصلی کبریا
اس کے دماغ میں تھا اور وہ کبریا کی کار میں گیا تھا۔ وہ مولانا اور پولیس
والوں کے ساتھ عدالت کی طرف جانے لگے۔

کبریا تمام راستے بار بار مولانا کے دماغ میں جاتا رہا۔ مولانا اور ڈمی کبریا

کی خیریت معلوم کرتا رہا۔ پھر وہ ایک بڑی سی عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ اس عمارت میں میئر کا آفس بھی تھا اور ساتھ ہی ایک بڑا سا ہال تھا جہاں عدالت قائم ہوا کرتی تھی۔ پہلے وہ میئر کے دفتر میں گئے۔ مولانا اور ڈمی کبریا کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں پیش کی گئیں۔ دن کے نو بج گئے تھے۔ میئر نے کہا۔ "ہمیں دو اعلیٰ عہدیداروں کا انتظار ہے۔ ان کے آتے ہی عدالتی کاروائی شروع کردی جائے گی۔"

کبریا نے اپنی ڈمی کی زبان سے کہا۔ "میئر! جھوٹ نہ بولو۔ دراصل تمہیں ایک خیال خوانی کرنے والے کا انتظار ہے۔ تمہارے چور خیالات کہہ رہے ہیں کہ تم لوگوں نے امریکی حکام سے مدد مانگی تھی۔ تمہیں یقین دلایا گیا ہے کہ میرے مقابلہ میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے کو بھیجا جارہا ہے۔ ابھی تم سب میرے دباؤ میں ہو۔ اس لئے مولانا کے خلاف فیصلہ نہیں سنا سکو گے تمہارا ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا آئے گا تو تم لوگ اپنے وہ قوانین منواؤ گے۔ جو یہاں کئی برسوں سے مذاہب کے خلاف ہیں۔"

میئر نے کہا۔ "تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ اگر عدالتی فیصلوں میں مداخلت نہیں کروگے تو ہم بھی اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے کا انتظار نہیں کریں گے اور ابھی عدالتی کاروائی شروع ہوجائے گی۔"

کبریا نے کہا۔ "تم سب سیدھی طرح کب مانتے ہو۔ میری ٹیلی پیتھی کے خوف سے مولانا کے خلاف ابھی کوئی کاروائی نہیں کررہے ہو۔

سیدھی سی بات ہے ہم مذاہب کے خلاف تمہارے قوانین کو تسلیم نہیں کر چاہتے۔ پہلے قوانین تبدیل کر و۔ پھر ہم تمہاری عدالت میں آئیں گے۔"

وہ مولانا کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔" میں اس عمارت کی چھت پر جارہا ہوں۔ پچھلی رات میری ٹیلی پیتھی کے اثر سے بے شمار چھتوں پر لاؤڈ اسپیکر لگائے گئے تھے۔ یہاں بھی چھت پر اسپیکر نہ ہوا تو میں عمارت کے سیکورٹی افسر کو بارہ منزلہ چھت کی بلندی سے نیچے پھینک دوں گا۔"

چھت پر اسپیکر موجود تھا۔ کیونکہ وہ ابھی ٹیلی پیتھی سے خوفزدہ تھے۔ ڈمی کبریا نے ایک حساس مائیکروفون لیا۔ اس کے ذریعہ شہر کی چھتوں پر لگے ہوئے تمام اسپیکروں سے آواز نشر کی جاسکتی تھی۔ میرَ نے کبریا سے پوچھا۔" کیا تم مذہبی قوانین کے خلاف بولنا چاہتے ہو؟"

"ہاں ان قوانین کے خلاف جو مذاہب کو پس پشت ڈالنے کے لئے جاری رکھے گئے ہیں۔" "ذرا ٹھہرو، میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہے۔"

کبریا اس کے دماغ میں آکر ہنسا۔ آواز آرہی تھی۔" ہیلو میرَ، میں ہوں تمہارا حامی ٹیلی پیتھی جاننے والا جان گارسن۔ اب تمہیں اور شہر کی انتظامیہ کو کبریا فرد کے دباؤ میں نہیں رہنا چاہئیے۔ میں نے اس کی دکھتی رگ پکڑ لی ہے۔ اس سے کہو اپنی میراں سے رابطہ کرو۔"

میرَ نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ میراں کے پاس پہنچا۔

لیکن اس نے سانس روک لی۔ کبریا نے دوسری بار کوشش کی۔ میراں کے دماغ کو لاک کر دیا گیا تھا۔ وہ گارسن کے تنویمی عمل کے زیر اثر تھی۔ اس لئے کبریا کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک رہی تھی۔

کبریا نے میرؔ کے دماغ میں کہا۔ "گارسن! تم نے آتے ہی میرے خلاف بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔ میراں کو ہم سے دور کر کے کیا چاہتے ہو؟"

گارسن نے کہا۔ "اس مولانا کے ساتھ تمہیں اور نادیدہ بابر کو شہر بدر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم لوگ۔۔۔۔"

کبریا نے بات کاٹ کر کہا۔ "پہلے میں اپنا فرض ادا کروں گا۔ پھر میراں کے بارے میں تم سے بات کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی ڈمی کے دماغ میں آیا۔ پھر مائیک کے ذریعہ کہنے لگا۔ "میں کبریا فرہاد ویسٹ بے سٹی کے شہریوں کو مخاطب کر رہا ہوں۔ آج صبح آپ نے پہلی بار پورے شہر میں اذان کی آواز سنی۔ یہاں جو ہندو، عیسائی وغیرہ ہیں۔ انہیں بھی اپنے دھرم ار مذہب کے پرچار کا اسی طرح حق ہے۔ ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور ہمارا دین ہمارے ساتھ۔ قرآن مجید کے اس اہم نکتے کے مطابق آپ اپنے اپنے مذہب کا پرچار کریں گے تو ہمارا مذہب آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ مولانا عبدالحق نے اس شہر میں آکر پہلی بار پورے شہر میں جس طرح اذان نشر کی ہے۔ آپ بھی اپنے اپنے مذہبی

حوصلوں کا مظاہرہ کریں۔ اور یہاں مذاہب کے خلاف جو قوانین ہیں۔ اسے جاری نہ رہنے دیں۔ ہم تمام مذاہب کے لوگ متحد ہو کر یہاں اپنے اپنے دین کو محترم بنانے کے لئے قوانین بنا سکتے ہیں۔ اور یہاں کی انتظامیہ سے وہ قوانین تسلیم کرا سکتے ہیں۔"

کبریا نے پرائی لہروں سوچ کی لہروں کو محسوس کیا۔ پھر سانس روک لی۔ میئر کے پاس آکر بولا۔" ابھی گارسن میرے دماغ میں آنا چاہتا تھا۔ وہ میرے معاملے میں کیوں مداخلت کر رہا ہے؟"

گارسن نے کہا۔" تم دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی ہمارے قوانین کے خلاف بھڑکا رہے ہو۔ اپنی یہ تقریر بند کرو۔"

"تم نے ہمارے خلاف ایک چال چلی ہے۔ میراں کو یرغمال بنایا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو؟"

"میں نے میراں کو تم سے دور کر دیا۔ تم اس بات کو اہمیت نہیں دے رہے ہو۔ کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ ہم میراں کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟"

"صرف ایک میراں کو نقصان پہنچے گا تو اس شہر کے کئی اکابرین اس میئر کے ساتھ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ اب تم سوچو۔ ہم ایک میراں کا نقصان اٹھا کر اس شہر کی پوری انتظامیہ کو مفلوج کر دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی ڈمی کے اندر آیا۔ اور اس شہر کے تمام مذاہب کے

لوگوں کو متحد ہونے کی دعوت دینے لگا۔ گارسن نے میرؔ سے کہا۔ "یہ کبریا بظاہر ڈھیٹ بن رہا ہے۔ یہ میراں اور مولانا کو نقصان پہنچتے دیکھ کر ہمارے سامنے مجبور ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر گارسن نے مولانا کے دماغ میں پہنچ کر زلزلہ پیدا کیا۔ بیچارے مولوی صاحب چیخیں مارتے ہوئے چھت کے فرش پر گر کر تڑپنے لگے کبریا تقریر کرتے ہوئے رک گیا۔ مولانا کے پاس آکر انھیں سنبھالنے لگا۔ مولانا نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا۔ "کوئی میرے اندر کہہ رہا ہے کہ میں تمھیں تقریر کرنے سے روک دوں، لیکن نہیں ہم نے اپنے دین کا بول بالا رکھنے کے لئے جو عزم کیا ہے۔ اس کے مطابق عمل کرتے رہیں گے۔ چاہے ہماری جان چلی جائے۔"

گارسن نے مولانا کی زبان سے کہا۔ "اگر کبریا اب تقریر کرے گا تو میں اسی طرح زلزلے کے جھٹکے پہنچا کر تمھیں مار ڈالوں گا۔"

مولانا نے کہا۔ "کبریا! تمھیں خدا اور رسولؐ کا واسطہ ہے۔ میری جان جانے دو۔ اپنی تقریر جاری رکھو۔"

تقریر جاری کرنے سے پہلے ہی پھر مولانا کے دماغ میں زلزلہ پیدا ہوا۔ وہ چیخیں مارتے ہوئے تڑپنے لگے۔ دوسرے ہی لمحے میرؔ کے حلق سے چیخ نکلی۔ کبریا نے اس کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا تھا۔ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے چند لمحے بعد ہی فوج کا ایک اعلیٰ عہدیدار دوڑتا ہوا چھت کے کنارے گیا۔ چیخ کر بولا۔ "گارسن! مرنے والوں کی گنتی

شروع کرو۔"

یہ کہتے ہی وہ بارہ منزلہ عمارت کی بلندی سے چھلانگ لگاکر موت کی
پستی میں چلا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد عمارت کے اندر سے پھر ایک اعلیٰ
عہدیدار دوڑتا ہوا چھت پر آیا۔ پھر اس نے بھی وہاں سے نیچے چھلانگ
لگا دی۔ میئر نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔ "گارسن، ہمارے
اکابرین کو موت کے منہ میں جانے سے بچاؤ۔"

گارسن نے ایک سیکورٹی گارڈ کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ گارڈ نے ایک
ستون کی آڑ سے نشانہ لیا۔ پھر ایک ہاتھ میں مائیک پکڑے ہوئے بڑ
پر گولی چلائی گولی اس کے سر پر لگی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا چھت کے سرے
پر آیا۔ پھر اس کی بلندی سے نیچے گرتا چلا گیا۔

(ملاحظہ فرمائیں سرورق ثانی)۔

کبریا کو زبردست صدمہ پہنچا۔ اس کی ڈمی بن کر رہنے والے جوان نے
جان کی قربانی دی تھی۔ اپنے دین کے لئے جہاد کرتے ہوئے شہادت
پائی تھی۔

گارسن خوش ہوگیا۔ اس نے اپنی دانست میں ٹیلی پیتھی جاننے والے
کبریا کو گولی ماری تھی۔ اس شہر میں ٹیلی پیتھی جاننے والا ایک ہی
مسلمان تھا۔ اسے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ میئر اپنی دماغی تکلیف بھول گیا
اس نے حکم دیا۔ "اس مولوی کو ہتھکڑی پہناؤ۔ اسے گدھے پر بٹھا کر

پورے شہر میں گھماؤ۔ تاکہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی عبرت حاصل کریں۔"

فوج کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔" آج صبح اس نے پورے شہر والوں کو اذان سنائی۔ اب دوسری بار اس کے منہ سے اذان کی آواز نہ نکلے ہم چاہیں تو اذان دینے والی زبان کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ لیکن ہم اسے اپنے شہر سے باہر زندہ سلامت جانے دیں گے۔ تاکہ پاکستانیوں کو اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو یہ شکایت کرنے کا موقع نہ ملے کہ ویسٹ بے سٹی میں مذہبی پیشواؤں پر ظلم کیا جاتا ہے۔"

مولانا کو ہتھکڑی پہنا دی گئی۔ کبریا نے خاموشی اختیار کی۔ وہ اس چھت پر کوئی انتقامی کاروائی کرتا تو دشمن مولانا کو بھی گولی مار دیتے۔ وہ اپنے شہر کی نیک نامی کے لئے مولانا کو زندہ سلامت شہر بدر کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ انہیں حراست میں لے کر نچلی منزل کی طرف جانے لگے۔ ایک سپاہی سے کہا گیا تھا کہ وہ مولانا کو بٹھانے کے لئے ایک گدھا لے آئے۔

شہر کی بے شمار چھتوں پر لاؤڈ اسپیکر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اسی طرح رکھے رہتے، تب بھی انتظامیہ کو پرواہ نہیں تھی۔ مسجد کے قریب اعلان کردیا گیا کہ ظہر کی اذان دینے کی اجازت نہیں ہے۔ مسلمان اذان کے بغیر مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور نماز کے بعد گدھے پر بیٹھے ہوئے مولانا عبدالحق کا تماشہ دیکھ سکتے ہیں۔

ظہر کا وقت ہوتے ہی شہر کے اکابرین چونک گئے۔

خلاف توقع پورے شہر میں اذان گونج رہی تھی۔ ٹیلیفون کی ہاٹ لائن پر حکم دیا گیا، مسجد کے مینار پر جو بھی اذان دے رہا ہے، اسے گولی مار دو۔

دوسری طرف سے پولیس افسر نے کہا۔ "یہ اذان مسجد سے نہیں کسی دوسری جگہ سے دی جارہی ہے۔"

اتنی دیر میں اذان پوری ہوچکی تھی۔ تمام اسپیکر سے بابر کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم موت سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے دینی احکامات کی تعمیل کررہے ہیں۔ ظالموں نے ہمارے ایک بندے کو ہلاک کردیا۔ اگر مولانا کو بھی ہلاک کردیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس شہر میں پانچوں وقت اذان سنائی دے گی اور ہماری مسجد آباد رہے گی۔"

میئر نے اپنے مائیک کے ذریعہ کہا۔ "یہ نادیدہ بابر علی بول رہا ہے۔ کبریا کے بعد یہ مارا جائے گا۔ موت کے بعد اس نادیدہ کی لاش بھی دکھائی نہیں دے گی۔"

"میئر! ہمیں مار نہیں سکو گے۔ ہمارے خاندان کے افراد شغل کے طور پر تھوڑی دیر کے لئے مرتے ہیں۔ پھر زندہ ہوجاتے ہیں۔ کبریا پھر تمہارے دماغ میں زلزلے پہنچانے والا ہے۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو جو گدھا مولانا کے لئے لایا جارہا ہے، اس پر جاکر بیٹھ جاؤ۔"

۔ بکواس مت کرو۔ اے شہر کے لوگوں! یہ جو اسپیکروں کے ذریعہ تمہیں اذان سنا رہا تھا اور اب بکواس کر رہا ہے۔ دراصل اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتا ہے۔ وہ ایک خبیث روح ہے۔ اچھا شہر والو! مجھے اجازت دو میں گدھے پر بیٹھنے جا رہا ہوں۔"

وہ آخری فقرہ کہتے ہی چونک گیا۔ اس نے اپنی مرضی سے نہیں کہا تھا۔ کسی قوت نے اس سے یہ کہلوایا تھا۔ اور وہ قوت ٹیلی پیتھی کی ہو سکتی تھی۔ وہ بے اختیار لفٹ میں آکر نچلی منزل کی طرف جانے لگا۔

اس کی اپنی سوچ کہنے لگی۔" میں گدھے پر بیٹھنے جا رہا ہوں۔ ہمارا جو مددگار ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے۔ وہ میری عزت رکھنے کے لئے شاید مجھے گدھے پر بیٹھنے نہیں دے گا۔ میں اس مددگار سے کہتا ہوں۔ مولانا کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرو۔ ہم تمام اکابرین کے خلاف بھی کاروائیاں ہوں گی۔ ایک مولانا کو ہلاک کیا جائے گا تو اس کی ہلاکت کے بعد بابر کو دباؤ میں رکھنے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔"

وہ نچلی منزل میں آکر لفٹ سے نکل کر عمارت سے باہر آیا باہر ایک گدھے کو پکڑ کر لایا گیا تھا۔ میرؔ نے وہاں پہنچ کر کہا۔" مولانا کی ہتھکڑی کھول دو۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔" یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اسے کیوں رہا کر رہے ہیں۔"

میرؔ نے کہا۔" اگر اس مولوی کی بے عزتی کی جائے گی اور یہ اپنی جان

دیدے گا تو اس نادیدہ بابر کو اپنے دباؤ میں رکھنے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ وہ ہم سب کو چن چن کر قتل کرے گا اور ہمارا تنہا ٹیلی پیتھی جاننے والا مددگار بیک وقت ہم سب کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔"

گارسن نے کہا۔" میں ٹیلی پیتھی کے ذریعہ بڑے سے بڑے دشمن کو زیر کر سکتا ہوں۔ لیکن اس نادیدہ انسان کو شاید جلد ہی قابو میں نہ کر سکوں۔ وہ یوگا کا ماہر ہے۔ مجھے اس کے دماغ میں جگہ نہیں مل رہی ہے۔ موجودہ حالات میں آپ تمام اکابرین کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

میئر نے کہا۔" میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ ابھی اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ضرور میرے اندر ہے۔ ہو سکتا ہے کبریا کی ہلاکت کے بعد فرہاد کی فیملی کا کوئی دوسرا خیال خوانی کرنے والا آگیا ہے۔"

ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا۔" ہمیں میئر کے دفتر میں بیٹھ کر مولوی سے کوئی سمجھوتہ کرنا چاہئیے۔ ہو سکتا ہے مولوی اور اس کے مددگار چند شرائط منوا کر ہماری بھی چند شرائط تسلیم کرلیں۔"

وہ سب مولانا عبدالحق کے ساتھ میئر کے دفتر کی طرف جانے لگے۔

بابر نے چند منٹ کے لئے لباس پہنا تھا۔ کیوں کہ بے لباس رہ کر اذان نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اذان کے بعد مختصر سی ایمان افروز تقریر کرنے کے بعد پھر بے لباس ہو کر نادیدہ بن گیا تھا۔

اسے میراں کی فکر تھی۔ یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اسے اغوا کر کے کہاں چھپایا گیا ہے۔ پھر کبریا نے دوسروں کے دماغوں میں گارسن کی آواز اور لہجے کو سنا اور بابر کو بتایا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا امریکی ہے۔

اس حد تک معلوم ہونے کے بعد وہ امریکی سفیر کے پاس پہنچ گیا۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ گارسن اور امریکی سفیر کے درمیان رابطہ رہتا ہوگا۔ کبریا نے بابر کے ذریعہ سفیر کی آواز سنی۔ پھر اس کے اندر پہنچ کر اس کے خیالات پڑھے تو پتہ چلا سفیر اور گارسن آپس میں رشتہ دار ہیں۔ سفیر بہنوئی ہے اور گارسن سالا ہے۔

گارسن کی اپنی ذاتی رہائشگاہ نہیں تھی۔ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ نکسن روڈ کے ایک بنگلے میں رہتا تھا۔ اس بنگلے کے تہہ خانے میں اس نے میراں کو قید کر رکھا تھا۔

یوں میراں تک پہنچنے کا راستہ نظر آگیا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ راستہ نظر آجائے تو منزل بھی مل جائے۔ میراں کو تین خیال خوانی کرنے والوں نے ٹریپ کیا تھا۔ اس کے مقفل کئے ہوئے دماغ میں جن گارسن کے علاوہ الیا اور جے رینڈم بھی پہنچ سکتے تھے۔ وہ تینوں کی مشترکہ قیدی تھی۔ گارسن نے ویسٹ بے سٹی میں امن و امان قائم رکھنے، کبریا اور بابر کو اپنے دباؤ میں رکھنے کے لئے میراں کو چھپا کر رکھا تھا۔ الیا کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ میراں کے دماغ میں رہ کر گارسن اور

جے ریڈم کے منصوبے اور مصروفیات معلوم کرنا چاہتی تھی۔

اور جے ریڈم عالمی سطح کا دلال تھا اور عیاش بھی تھا۔ حسین ترین لڑکیوں سے دل بہلانے کے بعد انھیں سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ وہ میراں کو تنہا ٹریپ کرنا چاہتا تھا لیکن گارسن اسے لے اڑا تھا۔ پھر ایسا بھی ان کے معاملات سے دلچسپی لینے لگی تھی۔

جے ریڈم بڑی خاموشی سے میراں کے دماغ میں آتے جاتے ہوئے اسے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ اس سے کہہ رہا تھا۔ میراں! تم نے مجھے ٹیلیفون ٹی وی اسکرین پر دیکھا ہے۔ میرے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ اب اس آخری عمر میں چاہتا ہوں کہ جتنی نیکیاں کر سکتا ہوں، کرتا رہوں۔ میں تمہارے بھی کسی کام آنا چاہتا ہوں، بولو کیا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔" ایک قیدی کی پہلی اور آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ اسے رہائی مل جائے۔ میں اپنے ابا کے پاس، بابر اور کبریا کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

میں تمہیں پہنچا دوں گا۔ میرے مشوروں پر عمل کروگی تو آج ہی رات کو اپنوں میں پہنچ جاؤ گی۔"

"میں تمہارے ہر مشورے پر عمل کروں گی۔ بولو مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تم ایک امریکی سفیر کے بنگلہ کے تہہ خانے میں ہو۔ رات کے آٹھ بجے سفیر اپنی بیوی کے ساتھ ایک تقریب میں جائے گا بنگلے میں دو

ملازم ہیں۔ میں ان دونوں کو اپنا معمول اور تابعدار بنا چکا ہوں۔ وہ تہ خانے کا چور دروازہ کھول دیں گے۔ بنگلے کے باہر ایک کار کھڑی ہوگی کار کا نمبر ڈبلیو۔بی۔سی فور زیرو فور ہوگا۔ تم اس کار میں بیٹھو گی۔ میں خیال خوانی کے ذریعہ تمہاری راہنمائی کرتا رہوں گا۔"

اس نے کہا۔" تم بہت اچھے ہو۔ ظالموں کے اس شہر میں بابر اور کبریا کے بعد تم ایک اچھے انسان ملے ہو۔ میں چور دروازہ کھلتے ہی چلی آؤں گی۔"

جے رینڈم اس کے دماغ میں جس طرح چوری چھپے آیا تھا، اسی طرح چلا گیا اسے یقین تھا کہ الیا اور گارسن اس کی چال بازی سے بے خبر ہیں۔ گارسن واقعی بے خبر تھا۔ وہ مولانا اور شہر کے اکابرین کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ لیکن الیا باخبر تھی۔ وہ میراں کے دماغ میں خاموش رہ کر جے رینڈم کے ارادے معلوم کرتی رہی تھی۔

اس نے اپنی ڈیلوزا اور اپنے ایک ماتحت کو اپنی ایک پلاننگ سمجھائی۔ اس کے مطابق وہ میراں کے دماغ میں آئی۔ اس کے بعد اس کا ماتحت آیا۔ اگر وہ پہلے آتا تو میراں تنویمی عمل کے مطابق سانس روک لیتی۔ الیا کے اس ماتحت نے کبریا کی آواز اور لہجے میں کہا۔" میراں! میں ہوں کبریا۔ اب سے پہلے بھی آتا رہا۔ مگر تم سانس روک لیتی تھیں۔"

"ہاں۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتی تھی۔ تم سچ مچ کبریا ہو؟

الیا کے ماتحت نے کہا۔" تمہیں شبہ کیوں ہو رہا ہے؟"

"کئی گھنٹے پہلے ایک دشمن تمہاری آواز اور لہجہ اختیار کر کے آیا تھا۔ م
دھوکہ کھا کر اس کی قیدی بن گئی ہوں۔"

"اب قیدی نہیں رہو گی۔ میں آگیا ہوں۔ تمہیں اس قید سے نکالنے
کے سارے انتظامات کر چکا ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے جے رینڈم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے یہاں سے نکال کر
تم لوگوں کے پاس پہنچا دے گا۔"

"وہ فراڈ ہے۔ میں خود تمہیں لینے آیا ہوں۔ تیار رہو۔"

الیا کے دو آلۂ کار اس بنگلے میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے
سفیر اور اس کے ملازموں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ اس کی بیوی کو
ایک اسٹور روم میں بند کر دیا۔ پھر تہہ خانہ میں آکر میراں سے کہا۔"
چلو کبریا صاحب نے ہمیں بھیجا ہے۔"

وہ اجنبیوں کے ساتھ جانے سے انکار کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت الیا
کے ماتحت نے کبریا کی آواز میں کہا۔" یہ دونوں میرے آدمی
ہیں۔ وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً چلی آؤ۔"

وہ ان دونوں کے ساتھ تہہ خانے سے نکل کر بنگلہ میں آئی۔ احاطے
کے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ احاطے سے گزر کر کار کے پاس
آئی۔ ایک اجنبی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ جیسے ہی سیٹ پر آکر

بیٹھی اجنبی نے ایک چھوٹی سی شیشی جیب سے نکال کر اس کے چہرے پر اسپرے کی۔ اسے اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ بڑی ہی زود اثر دوا تھی۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔

دونوں اجنبی اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ کار وہاں سے چل پڑی۔ الیا نے جے رینڈم کے پاس آکر کہا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم کسی وقت بھی اپنا کمینہ پن دکھاؤ گے۔ آخر تم نے دکھا ہی دیا۔"

"تم کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"میں پوچھتی ہوں میراں کہاں ہے۔ میں جب بھی اس کے پاس جاتی ہوں، وہ بے ہوش ملتی ہے۔"

جے رینڈم خیال خوانی کی پرواز کر کے میراں کے اندر پہنچا۔ وہ واقعی بے ہوش تھی۔ وہ غصہ سے بولا۔ "یہ گارسن کی چال ہے۔ وہ مجھے اور تمہیں میراں کے دماغ سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

ان دونوں نے گارسن کے پاس پہنچ کر کہا۔ "تم میراں کو ہم سے دور کر کے میٹنگ کے اس اجلاس میں خود کو مصروف ظاہر کر رہے ہو۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔ میراں جہاں پہلے تھی۔ اب بھی وہیں ہے۔ میرے ساتھ اس کے دماغ میں چل کر دیکھو۔"

"کیا خاک دیکھیں تم نے اسے بے ہوش کیا ہے۔"

جان گارسن میراں کے دماغ میں آیا۔ اسے بے ہوش پاکر امریکی سفیر
کے دماغ میں جانا چاہا۔ پتہ چلا وہ مر چکا ہے۔ وہ سفیر کی بیوی یعنی اپنی
بہن کے دماغ میں آیا۔ وہ اسٹور میں بند تھی۔ دروازہ پیٹ پیٹ کر مدد
کے لیے پکار رہی تھی۔ گارسن نے اس کے خیالات پڑھ کر معلوم کیا
کہ دو اجنبی آئے تھے انھوں نے سفیر کو اور ملازموں کو قتل کیا اور
اسے اسٹور روم میں بند کر دیا۔

اس کے بعد وہ میراں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

گارسن نے پولیس اور انتظامیہ کو سفیر کے قتل کی اطلاع دی۔ پھر الیا
اور جے رینڈم سے پوچھا۔ "کیا میں اپنے بہنوئی کو قتل کر کے میراں کو
بے ہوش کروں گا؟ ایسا کیوں کروں گا؟ کیا میں پاگل ہوں۔"

الیا نے کہا۔ "جے رینڈم! گارسن بے قصور ثابت ہو رہا ہے۔ تم ہمیں
دھوکہ دے رہے ہو۔ گارسن کے بہنوئی کو قتل کر کے میراں کو وہاں
سے لے گئے ہو۔"

"بکواس مت کرو الیا! تم ہمیشہ میری دشمن رہی ہو۔ میراں کو تم نے
غائب کیا ہے اور الزام مجھے دے رہی ہو۔"

"ٹھہرو۔ یوں جھگڑا کرنے سے ہم اصل معاملہ کی تہہ تک نہیں پہنچ
سکیں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ میں نے کبریا کے دھوکہ میں اس کی ڈمی کو
ہلاک کیا ہے یا تو کبریا زندہ ہے یا فرہاد کی فیملی کا کوئی دوسرا ٹیلی پیتھی
جاننے والا یہاں پہنچ گیا ہے۔

اس نے میراں کو ہماری قید سے رہائی دلائی ہوگی۔"

جے رینڈم نے کہا۔" ہم تینوں نے میراں کے دماغ کو لاک کیا تھا۔ کوئی چوتھا اس کے دماغ میں پہنچ کر یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ اسے کہاں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔ میں نہیں مانتا کہ فرہاد کا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا اسے ہم سے چھین کر لے گیا ہے۔ مسٹر گارسن! تم مانو یا نہ مانو اسے الپا لے گئی ہے۔ یہ ہم دونوں کو دھوکہ دے چکی ہے۔"

"یہی الزام میں تمہیں دیتی ہوں۔ بہرحال میراں کو بابر اور کبریا سے دور رکھنے کے لئے ہم تینوں ایک ہوئے تھے۔ اب ہمارا ایک رہنا ضروری نہیں رہا۔ میں جارہی ہوں۔ اور اپنے طور پر میراں کو تلاش کروں گی۔"

وہ دماغی طور پر حاضر ہو کر مسکرانے لگی۔ وہ کئی بار مختلف معاملات میں جے رینڈم کو نقصان پہنچا چکی تھی۔ لیکن کبھی اسے ٹریپ کر کے اس کے دماغ پر قبضہ نہ جما سکی۔ اسے اپنا تابعدار نہ بنا سکی۔ اس بار پھر اسے موقع مل رہا تھا۔ جے رینڈم میراں کا دیوانہ تھا۔ اسے اپنے طور پر تلاش کرنے والا تھا۔ اور الپا چاہتی تھی کہ وہ میراں کو تلاش کرتا ہوا اس کے شکنجے میں آجائے۔

اس شہر میں الپا کے چند آلہ کار تھے۔ وہ چاہتی تھی ان میں کوئی بابر کا رول ادا کرے۔ پورے لباس میں میراں کے سامنے جا کر یقین دلائے کہ وہ بابر ہے۔ اسے اس شہر کے دور افتادہ حصے میں لے جا کر

دشمنوں کی نظروں سے چھپا کر رکھے گا۔

الپا کے آلہ کاروں میں کوئی بابر جیسا قد آور نہیں تھا۔ میراں بابر کو ایک بار لباس میں دیکھ چکی تھی۔ اسے بابر کا قد اور جسامت یاد ہوگی۔ الپا نے اپنے آلہ کاروں سے کہا۔ "کسی قد آور باڈی بلڈر کو فوراً تلاش کرو۔ میں اس کے دماغ میں رہوں گی تو وہ میری ٹیلی پیتھی کے اشاروں پر بابر کا رول ادا کرتا رہے گا۔

دوسری طرف بابر نے امریکی سفیر تک پہنچنے کے بعد کبریا کے ذریعہ معلوم کیا تھا کہ میراں کو اسی بنگلے کے تہہ خانے میں قید کیا گیا ہے۔

بابر اس بنگلے میں پہنچا تو حالات بدل گئے تھے۔

امریکی سفیر کو قتل کردیا گیا تھا۔ اور الپا میراں کو تہہ خانے سے لے گئی تھی۔ یوں بابر اور کبریا کے لئے پھر یہ مسئلہ پیدا ہوگیا تھا کہ میراں کو کہاں تلاش کیا جائے؟

بابر نے اسے تلاش کرنے کے لئے لباس پہن لیا۔ پاؤں کے جوتوں سے لے کر سر کی وگ تک وہ ایک مکمل انسان کی طرح ظاہر ہوگیا اس نے آنکھوں پر میک اپ چڑھا کر مصنوعی دیدے اور آئی لینس لگائے تھے۔ مصنوعی دانتوں کا خول چڑھایا تھا۔ تاکہ گفتگو کرتے وقت دانت نظر آتے رہیں۔ کبریا نے پوچھا۔ "تم ظاہر ہو کر اسے کیسے تلاش کرو گے؟"

وہ مجھے بہت یاد آرہی ہے۔ میں نے یہ سوچ کر لباس پہنا ہے کہ وہ میرے بے لباس رہنے پر اعتراض کرتی تھی ایک بار اس نے ایسے ہی لباس میں مجھے دیکھا ہے۔ شاید کہیں مجھے دیکھے اور پہچان لے مجھے آواز دے یا کوئی اشارہ دے تو میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"محبوبہ تک پہنچنے کے خواب بہت ہوتے ہیں، راستہ کوئی نہیں ہوتا۔ اس تہہ خانے تک پہنچنے کے بعد بھی وہ نہیں ملی۔ وہ پراسرار باس جو شروع ہی سے میراں کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اسے اغوا کیا ہوگا۔ پتہ نہیں وہ کس قبر میں چھپا ہوا ہے اور میراں کو چھپا رہا ہے۔"

بابر ایک اوپن ریستوران میں بیٹھا ہوا پھلوں کا جوس پی رہا تھا۔ اس نے کہا۔" بڑے! میرے سامنے والی میز پر ایک شخص ایک حسینہ کے ساتھ بیٹھا ہوا بڑی دیر سے مجھے دیکھتا جارہا ہے اور اس حسینہ سے کچھ کہتا جارہا ہے کہیں میرے میک اپ میں کوئی خامی نہ رہ گئی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نادیدہ کی حیثیت سے ظاہر ہوجاؤں۔"

"تجھے ریستوران کے باتھ روم میں جاکر آئینے میں کسی خامی کو تلاش کرنا چاہیے۔"

"اس شخص کا تعلق ہمارے مخالفوں سے ہوسکتا ہے۔"

"ہونے کو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ یہ دیکھو ویٹر تمہارے پاس آیا ہے مجھے اس کی آواز سناؤ۔"

بابر نے ویٹر سے پوچھا۔ "کیا چکن سینڈوچز ہیں؟"

"یس سر! بالکل تازہ ہیں۔"

بابر نے سینڈوچز لانے کا آرڈر دیا۔ ویٹر جانے لگا۔ کبریا نے اس کا رخ سامنے والی میز کی طرف کیا۔ وہ ادھر جانے لگا۔ جب میز کے پاس پہنچا تو کبریا نے اس کے ہاتھ سے ٹرے گرادی۔ وہ جھک کر فرش پر سے ٹرے اٹھانے لگا۔ وہ شخص حسینہ سے کہہ رہا تھا۔ "میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ سامنے والا اٹھ کر چلا جائے۔ پھر میں اس کی آواز میڈم کو نہیں سنا سکوں گا۔"

حسینہ نے کہا۔ "وہ اٹھ کر جائے گا تو تمہیں اس کے پیچھے جانا۔۔۔"

حسینہ کی بات پوری نہ ہو سکی۔ ویٹر ٹرے اٹھا کر آگے چلا گیا تھا ویسے اب ویٹر کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی تھی کبریا اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کے چور خیالات پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے بابر کے پاس آکر کہا۔ "چھوٹے! تم لڑکی کو ڈھونڈ رہے ہو اور لڑکی والے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہوا؟"

"انہیں ایک ایسے قد آور شخص کی ضرورت ہے، جو نادیدہ بابر کا رول ادا کر سکے۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والی میڈم ہے، وہ کسی قد آور شخص کے دماغ میں رہ کر اس سے بابر کا رول کراتی رہے گی۔ تم قد آور ہو اس لئے وہ شخص بار بار تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ابھی وہ میڈم اس کے دماغ میں نہیں آئی ہے۔ آئے گی تو وہ تمہاری آواز اسے سنائے گا۔ میں ممی کے پاس جارہا ہوں۔ انتظار کرو۔"

کبریا نے آمنہ فرہاد کے پاس پہنچ کر کہا۔" ممی! ایک اہم معاملہ ہے آپ روحانی ٹیلی پیتھی کے ذریعہ بابر کا ذہن تبدیل کردیں۔"

آمنہ نے بابر کے پاس آکر اس کے خیالات پڑھے۔ معاملہ کی اہمیت کو سمجھا۔ پھر روحانی عمل کے ذریعہ اس کے ذہن کو تبدیل کرنے لگی۔

ویٹر سینڈوچز کی پلیٹ لے آیا۔ سامنے والے شخص کو اطمینان ہوا کہ بابر ابھی کھانے میں مصروف رہے گا۔ اس کے کھانے پینے کے دوران ہی الیا آگئی۔ اس کے آلہ کار نے کہا۔" میڈم! بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ میرے سامنے ایک قد آور جوان بیٹھا ہوا ہے۔ جیسا آپ چاہتی ہیں۔ بالکل ویسا ہی ہے۔"

الیا نے کہا۔" جاؤ مجھے اس کی آواز سناؤ۔"

وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ پھر بابر سے بولا۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

بابر نے پوچھا۔" یہاں کیوں بیٹھنا چاہتے ہو؟ کیا اس حسینہ کے پاس کانٹے چبھ رہے ہیں؟"

"بڑے بد دماغ ہو۔ کیا سیدھی طرح انکار نہیں کر سکتے؟"

وہ اپنی میز کی طرف واپس چلا گیا۔ الیا بابر کے دماغ میں پہنچ کر اس کے چور خیالات پڑھ رہی تھی۔ پتہ چلا اس قد آور جوان بابر کا نام طارق علی ہے۔ وہ کراچی سے ویسٹ بے سٹی خوب دولت کمانے آیا تھا۔ لیکن پاکستانیوں کو اکیس دنوں سے زیادہ اس شہر میں رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اگر کسی کمپنی میں ملازمت مل جائے تو اس پاکستانی کو اس شہر میں رہنے کی اجازت دیدی جاتی تھی۔ وہ شہر ویسٹ بے سٹی پاکستان میں تھا۔

بیسویں صدی کے سیاستدانوں نے اس شہر کے لئے زمین فروخت کرتے وقت اس بات کی پرواہ نہیں کی تھی کہ پاکستانیوں کے لئے وہاں کس قدر ذلت آمیز قوانین بنائے جائیں گے۔

الیا! بابر کے باغیانہ خیالات پڑھ رہی تھی۔ اس کے اندر طارق علی کے خیالات کہہ رہے تھے کہ وہ شہر میں بیس دن گزار چکا ہے اسے کہیں ملازمت نہیں ملی۔ اب چوبیس گھنٹے بعد اکیس دن پورے ہوجائیں گے۔"

اسے کراچی واپس جانا پڑے گا۔ اس کے خیالات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خیالی دنیا میں رہتا ہے اور سوچتا ہے، کبھی اسے غیب سے مدد ملے گی اور وہ دولت مند بن جائے گا۔ الیا نے کہا۔ "تم جو سوچتے ہو وہی ہوگا۔"

وہ حیرانی سے اپنا سر تھام کر بولا۔ "یہ میرے اندر کیسی آواز تھی۔"

"میں تمہاری خوش قسمتی بول رہی ہوں۔ اگر تم میری ہدایات پر عمل کرتے رہو گے تو بہت دولت مند بن جاؤ گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "تم جو کہو گی، وہ کروں گا۔"

"آج سے تم خود کو بابر علی تیمور کہو۔ خود کو ایک نادیدہ نوجوان کہو۔"

"میں نادیدہ کیسے ہو سکتا ہوں۔ میں تو دکھائی دے رہا ہوں۔"

"تم کہہ سکتے ہو کہ لباس پہننے سے نظر آتے ہو۔ لباس اتارنے کے بعد نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہو۔"

"یہ باتیں میں کس سے کہوں گا؟"

"ایک حسین لڑکی اپنے محبوب کا انتظار کر رہی ہے۔ لڑکی کا نام میراں ہے اور اس کے محبوب کا نام بابر ہے۔ تم بابر بن کر اس کے پاس جاؤ گے اس کے ساتھ اس شہر میں جگہ جگہ گھومتے رہو گے اسے کہو گے کہ اسے چھپا کر رکھنے کے لئے مناسب پناہ گاہ تلاش کر رہے ہو۔"

"اگر وہ بابر کے بارے میں پچھلی باتیں پوچھے گی تو میں کیا جواب دوں گا؟" "ان کی ملاقات پرانی نہیں ہے۔ صرف چوبیس گھنٹے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ایک آدھ بار ان کی ملاقات ہوئی ہے۔ میں اسی طرح تمہارے اندر رہوں گی جب وہ کچھ پوچھے گی تو تم میرے زیر اثر رہ کر آپ ہی آپ بابر کے بارے میں صحیح باتیں بولتے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے مگر مجھے دولت کب ملے گی؟"

"ابھی تم جس بنگلے میں اس سے ملنے جاؤ گے، وہاں ایک الماری کا خانہ ڈالروں سے بھرا ہوا ہے۔ اپنے بائیں طرف دیکھو، جو سرخ رنگ کی کار ہے، وہ تمہارے لئے ہے وہاں چابی موجود ہے۔ کمپیوٹر کو تمہاری منزل اور راستے فیڈ کردیئے گئے ہیں۔ جاؤ میراں انتظار کررہی ہے۔"

وہ ریستوران کا بل ادا کرکے کار میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر یہ کار کسی دوسرے کی ہوئی تو بڑے جوتے پڑیں گے۔"

"اس شہر میں تم جو چیز پسند کرو، وہ تمہاری ہو جائے گی کیونکہ خوش قسمتی تمہارے ساتھ ہے۔"

"واقعی تم خوش قسمتی ہو۔ پہلی ملاقات میں یہ کار مل گئی۔ اس بنگلے کی الماری میں پتہ نہیں کتنے ہزار یا کتنے لاکھ ڈالرز ملیں گے۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت چھوکری بھی ملنے والی ہے۔"

بابر نے پوچھا۔ "تمہاری عمر کیا ہوگی؟"

"ازل سے خوش قسمتی اور بد قسمتی چلی آرہی ہیں۔ عمر کا حساب کرو۔"

"پھر تو حساب کرتے کرتے میری عمر بھی بے حساب ہو جائے گی۔"

کار ایک بنگلے کے پاس رک گئی۔ گیٹ پر ایک مسلح پہریدار تھا۔ اس نے اس کے دماغ میں کہا۔ "اس جوان کو اندر جانے دو۔ پہریدار نے گیٹ کھول دیا۔ وہ کار بنگلے کے پورچ میں آگئی۔ الیا نے دوسرے ملازموں سے بھی کہہ دیا کہ آنے والے کو نہ روکا جائے۔

ڈرائینگ روم کے ایک صوفہ پر سر جھکائے اداسی سے اپنوں کو یاد کر رہی تھی۔ بابر کی آواز سنتے ہی چونک گئی اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ایک قد آور نوجوان کھڑا تھا۔ اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔" تمہیں میرا بے لباس رہنا پسند نہیں تھا اس لئے میں لباس میں آیا ہوں۔

وہ خوش ہو کر بولی۔" کیا واقعی تم ہو؟ یہاں تک کیسے آ گئے؟"

" جو مہربان ہستی تمہاری مدد کر رہی ہے وہی میرے کام آ رہی ہے۔"

وہ بولی۔" جے رینڈم نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا ہے"

وہ اس کے ہاتھوں کو اور چہرے کو چھونے لگی پھر کہنے لگی۔" اس میک اپ اور لباس کے بغیر تم دکھائی نہیں دیتے تب ایک عجیب سا انجانا سا خوف رہتا ہے کہ پتہ نہیں تم آس پاس کہاں ہو؟ اب اس طرح لباس میں رہا کرو۔"

"تم مجھے چھو رہی ہو میں بھی تمہیں چھونا چاہتا ہوں۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔" چھونے کے بہانے پکڑو گے"

"کیا مجھے پکڑنے کا حق نہیں ہے؟"

"تم مجھ سے جدا ہو کر یہی سوچ رہے تھے کہ صرف تم ہی میرے جسم و جان کے مالک ہو۔ میرے حقدار ہو۔ مگر رومانٹک بننے سے پہلے بتاؤ میرے ابا کہاں ہیں اور کیسے ہیں؟"

وہ الپا کے زیر اثر بولنے لگا "وہ خیریت سے ہیں۔ شہر کے اکابرین سے سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ وہ لوگ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں مداخلت نہیں کیا کریں گے لیکن اذان دینے اور دینی تبلیغ کے دوران اسپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر ایک مذہب کو اجازت دی گئی تو دوسرے مذہب کے لوگ بھی اسپیکر استعمال کریں گے۔ پھر شہر میں دن رات مذہب سے متعلق آوازیں گونجتی رہیں گی۔ محنت سے تھکے ہوئے لوگ سو نہیں سکیں گے۔ مریض آرام و سکون سے محروم ہو جائیں گے۔ تمہارے ابا نے فی الحال یہ تسلیم کیا ہے۔ وہ اسپیکر کے بغیر اذان دیا کریں گے۔"

"مجھے ابا کے پاس لے چلو"

وہ الپا کی مرضی کے مطابق بولا۔ "ابھی تمہیں دشمنوں سے چھپ کر رہنا چاہیے۔ یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ آؤ میں تمہارے لئے کوئی اچھی سی پناہ تلاش کروں گا۔"

وہ اس کے ساتھ بنگلے سے باہر آیا۔ جب تک وہ بے ہوش رہی، جے رینڈم اور گارسن اس کے دماغ میں آکر واپس جاتے رہے۔ اس بار انہوں نے اس کے دماغ میں آکر اسے بابر سے باتیں کرتے ہوئے سنا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بابر کے دماغ میں نہیں جا سکیں گے۔ لیکن وہ آزمائشوں کے طور پہ گئے تو انھیں بابر کے اندر

جگہ مل گئی۔ طارق علی کے چور خیالات نے بتایا کہ وہ بابر نہیں ہے اور نہ ہی نادیدہ ہے۔ وہ لباس اتارنے کے بعد بھی نظر آئے گا۔ جے رینڈم نے میراں کے اندر آکر کہا۔" یہ تم کس کے ساتھ جا رہی ہو؟ یہ تمہارا بابر نہیں ہے۔"

میراں نے کہا۔" تم نے کہا تھا، بابر کو میرے پاس پہنچاؤ گے اب اسے یہاں پہنچانے کے بعد انکار کر رہے ہو کہ وہ بابر نہیں ہے۔"

"میں نے کب تم سے وعدہ کیا تھا؟"

الپا کا وہ ماتحت جس نے جے رینڈم کا رول ادا کیا تھا۔ اس نے کہا۔" میراں! میں ہوں جے رینڈم۔ پتہ نہیں یہ کون ہے جو میری آواز اور لہجے کی نقل کر رہا ہے۔ بہرحال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بابر کے ساتھ جاؤ۔"

گارسن نے کہا۔" میراں! میں ہوں تمہارا عامل جان گارسن۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ بابر نہیں ہے۔ اس کا نام طارق علی ہے۔ ہم سمجھ گئے ہیں کہ یہ چالیں الپا چل رہی ہے۔ اگر تم اس کی چالوں میں آؤ گی تو تمہارے باپ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جان سے جائے۔ الپا کے ماتحت نے کہا۔" تم کتنے خود غرض ہو۔ تم نے میراں کو معمول اور تابعدار بنایا۔ اب دھمکی دے رہے ہو کہ میراں بابر کے ساتھ جائے گی تو اس کے باپ کی جان جائے گی۔

"اگر میڈم میراں کے دماغ پر حادی نہ ہوتی تو تم ایک عامل بن کر میراں کو جبراً بابر سے جدا کر دیتے"۔

الپا اپنے ماتحت کے ساتھ جے رینڈم اور گارسن کو ناکام بناتی جا رہی تھی۔ خصوصاً جے رینڈم کو طیش دلا رہی تھی کہ وہ میراں کو حاصل کرنے کیلئے جی جان ایک کر دے۔

اور جے رینڈم قسمیں کھا رہا تھا کہ میراں کو حاصل کر کے رہے گا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز حاصل نہیں ہوتی، اس کی طلب اور بڑھ جاتی ہے اور میراں تو ایک ایسی غیر معمولی حسینہ تھی، جس کے حصول کیلئے کروڑ پتی اور ارب پتی سرمایہ دار دیوانے ہو رہے تھے۔

جے رینڈم نے اپنے ماتحتوں کے ذریعہ ائرپورٹ اور بندرگاہ کی ناکہ بندی کی۔ تاکہ الپا، میراں کو اغوا کر کے اسرائیل نہ پہنچا دے۔ اسے یقین تھا کہ الپا نے میراں کو چارہ بنا کر کسی ملک سے یا کسی اہم شخص سے بہت بڑا معاہدہ کیا ہے۔ دشمنوں کے اس شہر میں معاہدہ پر عمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے الپا اسے اسرائیل پہنچا سکتی تھی۔

اور الپا ایک مدت سے جے رینڈم کی اس کمزوری کو سمجھتی تھی کہ

ڑ توئی اس کے لئے چیلنج بن جائے تو اس دشمن کو ختم کرنے کیلئے یا
پنی اہم پسندیدہ چیز حاصل کرنے کے لئے اپنی خفیہ پناہ گاہ سے باہر چلا
آتا تھا۔ اب سے پہلے الپا دو بار مختلف معاملات میں اسے اس کے بل
سے نکال چکی تھی۔ لیکن ہر بار اسے اپنا معمول اور تابعدار بنانے میں
ناکام رہی تھی۔ اس بار فیصلہ کیا تھا کہ کامیاب نہ ہوئی تو اسے موت
کے گھاٹ اتار دے گی۔

کبریا اور بابر کا بھی اصل ٹارگیٹ بے رینڈم تھا۔ وہی ایک ایسا
زبردست دشمن تھا، جو ابتدا ہی سے میراں کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ یوں تو
سب ہی دشمن پیچھے پڑے ہوئے تھے لیکن اس نے میراں کو اغوا
کرایا۔ اس کے بعد پھر میراں کو کسی ایک جگہ سکون سے رہنے نہیں
دیا۔

میراں کے لئے عزت بچائے رکھنا محال ہوگیا تھا اور مولانا عبدالحق
ُن کافرستان میں مکمل دینی حقوق حاصل کرنے کے لئے مصائب اٹھا
ہے تھے اور ذلتیں برداشت کر رہے تھے۔ اس روز انہوں نے فجر، ظہر
اور عصر کے وقت پورے شہر میں اذانیں سنائی تھیں۔ انتظامیہ کے

اراکین اور فوجی افسران شہریوں کو اور دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کو
بھڑکا رہے تھے۔ دیگر مذاہب کے لوگ اذان کی حمایت کرتے ہوئے
اپنے بھی دینی حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن ایسے عبادت کرنے
والے بھی تھے، جو سرکار کے چمچے بنے ہوئے تھے اور اپنے اپنے دین کے
پیشوا کے خلاف انتظامیہ اور فوجیوں سے گٹھ جوڑ کر رہے تھے۔

ایک خفیہ مقام پر بہت ہی خفیہ میٹنگ ہو رہی تھی۔ اس اجلاس میں
میئر اور فوجی شامل نہیں تھے۔ کیونکہ کبریا ان کے دماغوں میں آتا تو وہ
اجلاس خفیہ نہ رہتا۔ وہاں رازداری سے یہ طے پایا کہ پانچویں وقت کی
اذان کا موقع نہ دیا جائے۔ اگر مسلمان ایک دن پانچوں وقت کی اذان
پورے شہر والوں کو سنانے میں کامیاب ہوجائیں گے تو دوسرے دن
سے دوسرے مذاہب کے لوگ بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اپنے اپنے
دین اور دھرم کا پرچار کرنا شروع کر دیں گے۔

ایک پلانر نے کہا "تھوڑی دیر میں مغرب کی اذان ہونے والی ہے
ابھی ہمارا اجلاس جاری ہے۔ اس لئے مغرب کی اذان کو روک نہیں
سکیں گے لیکن عشاء کی اذان سے پہلے ہی مسجد میں بم کا دھماکہ کیا

جائے گا۔ جب مسجد کھنڈر بن جائے گی۔ جب بانس نہیں رہے گا تو بانسری نہیں بجے گی۔ اذان دینے والے کے بھی چیتھڑے اڑ چکے ہوں گے

وہاں ایک مولوی تھا۔ صبح سے تین وقت مولانا عبدالحق کے پیچھے نماز پڑھ چکا تھا۔ داڑھی رکھنے اور سجدے کرتے رہنے سے بے ایمان کو کبھی یمان کی پختگی نہیں ملتی۔ اس مولوی کو خرید لیا گیا تھا۔ وہ مسجد میں جا کر ٹائم بم رکھنے کے لئے راضی ہوگیا تھا۔

اس نے کہا "میں یہ کام کر لوں گا۔ لیکن وہ کبریا سمجھ جائے گا کہ میر صاحب اور کرنل صاحب نے یہ دھماکہ کرایا ہے"۔

پلازہ نے کہا "دو مختلف مذاہب کے دو جلوس نعرے لگاتے ہوئے نکلے تھے کہ شہر میں اذانوں کا شور بند کرو۔ ورنہ وہ مسجد رہنے دیں گے نہ نمازی۔ دونوں جلوس کے لوگ مولوی عبدالحق کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ کبریا کو یہ ماننا پڑے گا کہ مولانا کو اور مسجد کو دوسرے مذہب کے لوگوں نے شہید کیا ہے"۔

"بے شک عدالت بھی یہی کہے گی کہ ایسی واردات کرنے والے

شرپسند لوگ تھے۔ اور شرپسند اب کسی مذہب میں نظر نہیں آئیں گے جو کرائے پر لائے گئے تھے وہ اس شہر سے جا چکے ہیں"۔

دوسرے شخص نے کہا "میئر کے دفتر میں اور عدالت عالیہ کے جج کے گھر میں فون کئے گئے ہیں۔ نہ معلوم فون کرنے والوں نے مولانا کو قتل کرنے کی دھمکی دی ہے اور ارجنٹ میل سروس کے ذریعہ دھمکی آمیز خطوط ارسال کئے ہیں۔ ان تمام ثبوت کی موجودگی میں میئر صاحب اور کرنل صاحب پر کبھی الزام نہیں آئے گا"

اس خفیہ اجلاس میں ہر پہلو سے جائزہ لیا گیا۔ پھر یہی اطمینان ہوا کہ بم دھماکے کا الزام کسی پر نہیں آسکے گا۔ کیونکہ فون کرنے اور خطوط لکھنے والوں کا سراغ نہیں ملے گا۔ مسجد اور مولانا کو شہید کرنے کی دھمکیاں دینے والے اس شہر سے جا چکے ہوں گے۔

وہ مولوی پلان میکر کی کار میں بیٹھ کر مسجد کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے آستین کے اندر بغل میں بم کو چھپا رکھا تھا۔ بم چھوٹا تھا مگر بہت طاقتور تھا۔ کسی بھی دو منزلہ بڑی سی کوٹھی کو کھنڈر بنا سکتا تھا۔

ابھی عشا کی اذان کے لئے ایک گھنٹہ باقی تھا۔ مولانا اپنے حجرے میں

آرام کر رہے تھے۔ کبریا مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھا خیال خوانی کے ذریعے میراں اور بابر کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ وہ اور بابر سمجھ رہے تھے کہ ایک خیال خوانی کرنے والی کوئی چکر چلا رہی ہے۔ میراں کو ایک خفیہ اڈے سے نکال کر کسی دوسری جگہ پہنچانے کے لئے انہیں شہر کے مختلف حصوں میں دوڑا رہی تھی۔

اس کی خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ کوئی مسجد میں آیا تھا۔ وہی مولوی تھا۔ پہلے اس نے حجرے میں جاکر دیکھا تھا۔ مولانا عبدالحق کو وہاں آرام کرتے دیکھ کر اطمینان ہوگیا۔ وہ مسجد کے اندر اس حصے میں آیا جس کی دیوار کے دوسری طرف حجرہ تھا۔ ادھر بم مسجد میں بلاسٹ ہوتا تو ادھر حجرے میں مولانا کے بھی چیتھڑے اڑ جاتے۔

وہ مولوی دیوار کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر بغل میں دبے ہوئے ٹائم بم کو نکالا۔ مسجد میں ایک ہی بلب روشن تھا۔ روشنی مولوی کی پشت پر تھی۔ اس لئے کبریا کو اس کی پشت ہی نظر آرہی تھی۔ لیکن جیسے ہی مولوی نے گھڑی آن کرکے تین منٹ کا ٹائم سیٹ کیا۔ بابر چونک گیا۔ ٹک ٹک کی آواز بہت دھیمی تھی۔ دور سے

سنی نہیں جا سکتی تھی۔ لیکن اس نے غیر معمولی سماعت سے وہ آواز سنی۔ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ دوڑتا ہوا اس کی طرف جانے لگا۔

مولوی گھبرا گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ مسجد میں کوئی نہیں ہے۔ مگر کوئی دوڑ کر آرہا تھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر بھاگنا چاہتا تھا۔ کبریا نے اسے دبوچ لیا۔ بلب کی روشنی میں اسے دیکھ کر حیرانی سے بولا "مولوی صمد! تم؟ تم نے وہاں کیا رکھا ہے؟"

"کک۔ کچھ نہیں۔ مجھے جانے دو"۔

وہ اسے کھینچتا ہوا لایا۔ دو دیواروں کے ایک کونے میں بم نظر آیا۔ کبریا نے مولوی کو فرش پر گرا کر فوراً ہی بم کو اٹھا کر اسے آف کردیا۔ مولوی کے مختصر سے خیالات پڑھے۔ پوری سازش کا علم ہوگیا۔

پھر اس نے میئر کے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنے دفتر میں کرنل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ رات کے وقت اس لئے وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہیں مسجد میں بم بلاسٹ ہونے کی خوشخبری ملنے والی تھی۔

کبریا نے مولوی کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ مولوی نے فوراً ہی قریب آکر اس ٹائم بم کو لے کر اپنے لباس میں چھپایا۔ پھر دوڑتا ہوا مسجد کے باہر

وہ بیہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن ٹیلی پیتھی کے شکنجے میں نظر آ رہا
بہ کبریا اسے کسی گاڑی میں بھی بٹھا سکتا تھا۔ لیکن وہ اسے دوڑاتا رہا۔
وہ کبھی رک کر ہانپتا تھا۔ پھر دوڑنے لگتا تھا۔ اس طرح وہ چھ میل تک
دوڑتے رہنے کے بعد اس عمارت میں پہنچ گیا۔ جہاں میئر کا دفتر تھا۔
اس نے لفٹ کے اندر آکر ٹائم بم نکال کر تین منٹ کا ٹائم سیٹ کیا۔
پھر ساتویں منزل تک پہنچ گیا۔ اس منزل کے ایک کمرے میں میئر اور
کرنل پی رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ مولوی ایک دھماکے سے
دروازہ کھولتا ہوا اندر آیا۔ ان دونوں نے مولوی کو پہلے سوالیہ نظروں
سے دیکھا پھر اس کے ہاتھوں میں ٹائم بم دیکھتے ہی گھبرا کر کھڑے
ہو گئے۔ وہ بھاگنا چاہتے تھے کہ مولوی کے حلق سے غراتی ہوئی آواز آئی
"موت نے اپنا راستہ بدل دیا ہے۔ مسجد سے ادھر چلی آئی ہے۔"
"کیا دو ہزار ڈالر کم ہو گئے تھے؟ ہم تجھے دس ہزار دینگے جا اسے مسجد
میں رکھ آ۔"

کبریا نے کہا "عقل کے دشمن تم مولوی سے نہیں اپنے باپ سے بول رہے ہو۔ میر اور کرنل اپنے جرم کا ثبوت نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ان کا قتل کرنے والا بھی کبھی گرفت میں نہیں آئے گا"

"بکواس میں وقت ضائع نہ کرو۔ بم پھٹ جائیگا"

کرنل نے بھاگنے کی کوشش کی۔ کبریا نے مولوی کے اندر رہ کر فلائنگ کک ماری۔ وہ واپس صوفے پر آگیا۔ میر کو ایک الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ پیچھے الٹ گیا۔ جان گارسن نے کہا "کبریا میں تمہیں اور مولانا کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"

گارسن نے مولوی کو بم سمیت وہاں سے بھگانا چاہا لیکن کبریا نے اسے مولوی کے دماغ پر حاوی ہونے نہیں دیا۔ اس نے آخری چند سیکنڈ میں کہا "حضرت بلالؓ کو بھی اذان دینے سے روکا جاتا رہا۔ لیکن وہ اذان آج بھی گونج رہی ہے اور قیامت تک گونجتی رہے گی"

یکبارگی کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا۔ لیکن ان کے صرف کان نہیں پھٹے ان کے وجود کاغذ کی طرح پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ کوئی ثبوت نہیں تھا کہ ایسا کبریا نے کیا ہے۔ گارسن گواہ تھا۔ مگر چشم دید

گواہ نہیں تھا کیونکہ ٹیلی پیتھی کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔

قاسم سردار اور ماسٹر اورے گا پریشان تھے انہیں تلاش بسیار کے باوجود میراں نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ دونوں جے ریندم کے خاص اور قابل اعتماد ماتحت تھے جے ریندم نے انہیں سختی سے کہا تھا "میراں کو ہر حال میں میرے پاس لاؤ ورنہ یہ بادشاہوں جیسی زندگی نہیں گذار سکو گے میں تمہیں کنگال بنا کر فٹ پاتھ پر پہنچا دونگا"

وہ دونوں سمجھ رہے تھے کہ باس میراں کے حسن و شباب کا دیوانہ ہو رہا ہے۔ وہ اسے حاصل کرنے کیلئے اسرار کے پردے سے نکل آیا تھا۔ خود اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ فکر یہ تھی کہ الپا، میراں کو اسرائیل نہ پہنچا دے۔ اگر ایسا ہوگا تو وہ حسن کے شاہکار کو حاصل کرنے وہاں نہیں جا سکے گا۔ وہاں الپا ایسا جال پھیلاتی کہ اس کا بچ کر نکل آنا ہی محال ہو جاتا۔

اس نے اپنا حلیہ بدل لیا تھا۔ اب اس کے سر پر سفید بال اور چہرے پر داڑھی مونچھیں نہیں تھیں۔ وہ کلین شیوڈ تھا۔ جینز اور جیکٹ پہنے پرائیویٹ فلائنگ پورٹ کی عمارت میں تھا۔ وہ بکنگ کاؤنٹر کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ میراں کو کسی دوسرے روپ میں لایا

جائیگا۔ الپا کے ماتحت دوسرے ناموں سے ہیلی کاپٹر یا چھوٹا طیارہ چارٹرڈ کرائیں گے۔ اس طرح میراں کو ویسٹ بے سٹی سے باہر لے جائیں گے۔

پھر وہ خیال خوانی کے ذریعے بھی میراں اور ڈی بابر کے اندر جا رہا تھا۔ کبھی وہ دونوں اندھیروں میں گم ہو جاتے تھے۔ اس طرح الپا انہیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور جان بوجھ کر اپنی کوششوں کو ناکام بنا رہی تھی۔ اصل مقصد یہی تھا کہ جے رینڈم میراں تک پہنچے لیکن ایسی جگہ پہنچے جہاں وہ جے رینڈم کو پوری طرح شکنجے میں لے سکے۔

پھر خیال خوانی کے ذریعے پتہ چلا کہ وہ فراڈ بابر کے ساتھ بندرگاہ پر ہے۔ ایک بحری جہاز وہاں سے مصر کیلئے روانہ ہونے والا تھا۔ وہ دونوں پاسپورٹ اور ضروری کاغذات کے بغیر ٹکٹ خرید کر جہاز پر سوار ہو رہے تھے اور ایسا الپا کی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو رہا تھا۔

جے رینڈم نے فوراً قاسم سردار کے اندر پہنچ کر پوچھا "تم بندرگاہ سے کتنی دور ہو؟"

"میں پانچ یا چھ کلو میٹر دور ہوں"

"فوراً بندرگاہ پہنچو۔ ایک جہاز مصر کیلئے روانہ ہو رہا ہے۔ میراں اور فراڈ بابر اس جہاز میں ہیں۔"

قاسم سردار نے اپنی کار بندرگاہ کے راستے پر لگا دی۔ جے رینڈم نے اورے گا کو بھی اس جہاز تک پہنچنے کا حکم دیا۔ پھر فون کے ذریعے سی پورٹ کے انچارج سے پوچھا "کیا مصر جانے والے جہاز کے کپتان سے بات ہو سکتی ہے۔ میں اس کا باپ بول رہا ہوں"

"آپ اپنا نمبر دیں۔ میں بات کراتا ہوں"۔

جے رینڈم نے غلط نمبر دے کر فون بند کیا۔ پھر اس انچارج کے اندر پہنچ گیا۔ وہ کپتان سے رابطہ کر کے کہہ رہا تھا "تمہارا باپ تم سے فون پر بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے فون نمبر دیا ہے"۔

کپتان نے کہا "یہ کیا بکواس ہے۔ دس برس پہلے میرے باپ کا قتل ہو چکا ہے"۔

کپتان نے فون بند کر دیا۔ جے رینڈم اس کے اندر پہنچ گیا۔ جہاز کی روانگی کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ لنگر اٹھانے کا حکم دینے والا تھا۔ لیکن جے

رینڈم کی مرضی کے مطابق سوچنے لگا۔ "کچھ دیر ٹھہروں گا۔ میرا باپ
آنے والا ہے"۔

وہ ایسا سوچتے وقت پریشان ہو رہا تھا کہ ایسا کیوں سوچ رہا ہے
باپ دس برس پہلے مر چکا ہے۔ وہ اس جہاز میں کہاں سے آ جائے گا؟
جے رینڈم چاہتا تھا کہ اسکے ماتحت جہاز میں پہنچ جائیں۔ الپا نے میراں
کو مصر جانے والے جہاز پر اس لئے سوار کرایا تھا کہ اسرائیل مصر کا
پڑوسی ملک ہے۔ جے رینڈم یہی سمجھے گا کہ وہ میراں کو سچ مچ اسرائیل
پہنچانا چاہتی ہے۔ قاسم سردار اور ماسٹر اورے گا جہاز کی سیڑھیاں
چڑھتے ہوئے کپتان کے سامنے سے گزر گئے۔ جے رینڈم نے اس کی
سوچ میں کہا "میرے ایک نہیں دو باپ آ گئے ہیں۔ اب جہاز کو روانہ
ہونا چاہیئے"۔

کپتان اپنے کیبن میں آکر لنگر اٹھانے کا حکم دینے لگا۔ کئی مسافر جہاز
کی ریلنگ سے لگے ہوئے ساحل کی طرف دیکھ رہے تھے اور ساحل پر
کھڑے ہوئے دوستوں اور رشتہ داروں کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہہ رہے
تھے

میراں اور بابر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ وہ دونوں اپنے کیبن میں آگئے۔ اس چھوٹے سے کیبن میں ایک برتھ نیچے اور دوسری برتھ اوپر تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنے ابا کو ویسٹ بے سٹی میں چھوڑ کر بحری سفر کیوں کر رہی ہوں؟ ایسا لگتا ہے میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ شاید تم پر بھی تنویمی عمل کیا گیا ہے۔ اس لئے کسی منزل کا تعین کئے بغیر جہاز پر سوار ہوگئے ہیں"۔

بابر نے کہا "میں ہوش و حواس میں ہوں۔ تمہاری صرف جان کی تو نہیں، عزت کی سلامتی کے لئے بھی ضروری ہے کہ تم عارضی طور پر دشمنوں کے شہر سے دور ہو جاؤ۔ ہمارے دماغوں میں جو مہربان میڈم آتی رہتی ہے وہ ہماری بھلائی کیلئے ہی سمندر کے راستے سے کسی محفوظ مقام تک ہمیں پہنچائے گی"۔

بابر الپا کی چاپلوسی کیلئے ایسا کہہ رہا تھا ورنہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی لمبا چکر ہے۔ اس چکر میں کسی مقام پر پہنچ کر چند مخالف ٹیلی پیتھی جاننے والے ضرور سامنے آئیں گے

بر اس کے پاس برتھ پر آکر بیٹھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ بابر نے
پوچھا "کیا ہوا؟ بھئی میں نے تو لباس پہنا ہوا ہے"

میراں نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ آہستگی سے بولی "تم ایک
عجیب انداز میں مجھے متاثر کر رہے ہو"۔

"یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم مجھ سے متاثر ہو رہی ہو"۔

وہ بولی "میں نے سوچا تھا۔ جو میری زندگی میں آئے گا۔ اس سے پہلے
دور دور رہوں گی اور اس کے پیار کی شدت کو آزماتی رہوں گی لیکن
حالات ایسے پیش آ رہے ہیں کہ مصیبت کی ہر گھڑی میں تم ہی میرے
محافظ بن کر چلے آتے ہو۔ اور پھر ایسی تنہائی میں آتے ہو کہ دل تیزی
سے دھڑکنے لگتا ہے"

بابر نے ایک سوئچ آف کر دیا۔ کیبن میں نیم تاریکی چھا گئی۔ دل اور
تیزی سے دھڑکنے لگا۔ سمندر کی لہروں پر جہاز سیدھا نہیں چلتا آگے
پیچھے ڈولتا رہتا ہے۔ اسی طرح دونوں کے دل ڈول رہے تھے۔ بابر نے
نائٹ بلب بھی بجھا دیا۔ کیبن میں گہری تاریکی چھا گئی۔

دراصل اپنا آپ چھپانے کیلئے گہری تاریکی ضروری تھی۔ وہ میراں کے اندر

ہو کر روشنی میں یہ ضرور معلوم کرتی کہ بابر کے جسم کا کونسا حصہ لباس کے باہر ہوتے ہی نادیدہ ہوگیا ہے۔

چونکہ میراں کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس لئے الپا بھی اتنا ہی سمجھ سکتی تھی جتنا کہ اسکی معمولہ محسوس کر رہی تھی۔ الپا کو پہلے بھی بابر پر شبہ نہیں تھا۔ تاریکی میں بھی شبہ نہ ہوسکا۔ وہ میراں کے دماغ سے چلی گئی۔ جے رینڈم کو یقین تھا کہ عشق کے اس مرحلے پر فراڈ بابر بے لباس ہوگا تو بھید کھل جائے گا۔ میراں کو یقین ہوجائے گا کہ وہ بابر بن کر دھوکا دے رہا تھا۔ جب بابر نے آخری سوئچ آف کیا اور کیبن میں تاریکی کر دی تو رینڈم غصے سے چیخنے لگا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس شاہکار حسینہ کو اس سے پہلے کوئی ہاتھ لگائے۔ اس نے میراں کے دماغ میں کہا "دھوکا نہ کھاؤ۔ لائٹ آن کرو۔ اس سے کہو، روشنی میں صرف دستانے سے ہاتھ نکالے اس کا فراڈ کھل جائے گا۔ دستانے سے باہر اس کا ہاتھ نادیدہ نہیں رہے گا، صاف دکھائی دے گا۔ یہ تمہارا نادیدہ محبوب نہیں ہے"

میراں نے پریشان ہوکر کہا "بابر! وہ کتا پھر میرے اندر بھونک رہا

ہے۔ وہی ایک بات کہہ رہا ہے کہ تم نادیدہ نہیں ہو۔ نادیدہ بن کر مجھے دھوکا دے رہے ہو۔ میں ایسے کتے کو کیسے بھگاؤں؟"

"تم۔ تم مجھے کتا کہہ رہی ہو؟ میں تمہیں اپنی کتیا بنا کر رہوں گا۔ میرے سوا کوئی تمہاری تنہائی میں نہیں رہے گا۔ میرے آدمی ابھی اس فراڈ کو تم سے الگ کر کے سمندر میں پھینک دیں گے"۔

وہ بولی "بابر! میرا سر بری طرح دکھ رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ میڈم کہاں چلی گئی ہے"۔

بابر نے پریشان ہو کر کہا "او بے کتے! کیوں ایک لڑکی کو پریشان کر رہا ہے۔ مرد ہے تو میرا سامنا کر"

وہ میراں کے اندر سے نکل کر اپنے ماتحتوں کے پاس آکر کہہ رہا تھا "وہ دونوں کیبن نمبر چھ میں ہیں۔ جلدی جاؤ۔ اگر ذرا بھی میلی ہوگی تو تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"

وہ دوڑتے ہوئے کیبن کے دروازے پر آئے اور پھر دروازے کو پیٹ پیٹ کر کہنے لگے "دروازہ کھولو۔ ہم کہتے ہیں دروازہ کھولو ورنہ ہم اسے توڑ کر اندر آئیں گے"

قاسم سردار نے دوسری بار گھونسہ مارا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ کیبن کے اندر میراں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ جسے فراڈ بابر کہا جا رہا تھا اس کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا اور نظر نہ آئے تو اسے وجود بھی نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن وجود ثابت ہو گیا۔ قاسم کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔ پھر اورے گا کے پیٹ پر لات پڑی۔ اورے گا کے سنبھلنے سے پہلے قاسم تیزی سے آکر اس سے ٹکرا گیا۔ بابر نے ٹکرانے کیلئے اسے دھکا دیا تھا۔ دونوں کیبن سے باہر جا گرے پھر بار بار اٹھنے سے پہلے دونوں کے منہ پر ٹھوکریں پڑنے لگیں۔

وہاں مسافروں کی اور جہاز کے عملے کی بھیڑ لگنے لگی۔ سب حیرانی سے پوچھ رہے تھے کہ وہ بار بار خود ہی اٹھنے سے پہلے کیوں گر رہے ہیں۔ پھر سب نے دیکھا۔ قاسم فرش پر ایسے گھسیٹا جا رہا تھا جیسے کوئی اسے گھسیٹ رہا ہو۔ پھر جہاز کی ریلنگ کے پاس وہ خود بخود فرش سے فضا میں بلند ہونے لگا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے سر سے بلند کیا ہے۔ قاسم کی آخری چیخیں دور تک پھیلنے لگیں۔ وہ جہاز کی ریلنگ کے اوپر سے گذرتا ہوا سمندر میں

چلا گیا تھا۔ کتنے ہی مسافر، مرد عورتیں اور بچے خوفزدہ ہو کر چیخنے اور
بھاگنے لگے جہاز کا عملہ پریشان ہو گیا تھا۔ ایک نے اورے گا سے پوچھا
"یہ ابھی تمہارے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ تمہارا ساتھی خود ہی فضا میں بلند
ہو کر جہاز سے نکل کر سمندر میں کیوں ڈوب گیا؟"

اورے گا جواب نہ دے سکا۔ اس کے منہ پر ہتھوڑے جیسا گھونسا
پڑا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اگرچہ وہ ایک قد آور باڈی بلڈر تھا
اس میں قوت برداشت تھی۔ لیکن اس نادیدہ کے ہاتھ پاؤں جیسے فولاد
کے تھے۔ اس کی باچھوں سے لہو رسنے لگا تھا۔ اس کے اندر بیٹھا ہوا
بے رینڈم پریشان ہو رہا تھا۔ فولادی فائٹر کہلانے والا لہولہان ہو رہا تھا۔
یہ سمجھ میں آگیا تھا کہ میراں کو اپنی گرفت میں لینے سے پہلے ہی
اورے گا کا انجام بھی قاسم جیسا ہوگا۔ اس نے اورے گا کے دماغ میں
کہا "لوگوں سے کہو کہ اس نادیدہ کو چاروں طرف سے گھیر کر رسیوں
سے باندھ لیں۔ تم اس نادیدہ درندے سے بچنے کی کوشش کرو۔ ورنہ
میراں ہاتھ نہیں آئے گی"

وہ اپنے بچاؤ کی کوشش نہ کر سکا۔ اس کی گردن دو آہنی بازوؤں میں

پھنس گئی تھی۔ پھر ایک زور دار جھٹکا لگا۔

لہروں کے شور میں کڑک کی آواز کے ساتھ ہڈی ٹوٹ گئی۔ جب وہ نادیدہ گرفت سے نکل کر فرش پر گرا تو گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ پورے جہاز میں دہشت پھیل گئی۔ مسافر ایک دوسرے سے دور ہٹنے لگے۔ یہ وہم تھا کہ آس پاس ہی وہ نادیدہ درندہ موجود ہے۔ بے رینڈم کو اپنے دو اہم ماتحتوں کی موت کا افسوس تھا۔ لیکن یہ فکر حاوی تھی کہ وہ نادیدہ اس شاہکار حسن و شباب کو انعام کے طور پر حاصل کرے گا۔ وہ جہاز کے کپتان کے دماغ پر قبضہ جما کر مسافروں سے کہنے لگا "کیبن نمبر چھ کی حسینہ کو باہر نکالو۔ وہ نادیدہ درندے کو پناہ دے رہی ہے۔ دونوں کو بند کیبن میں نہ رہنے دو"

تمام مسافر کپتان کی حمایت میں بولنے لگے کچھ لوگ ہتھیار لے کر آگئے۔ کیبن نمبر چھ کے دروازے کے سامنے دور تک مسافروں کی بھیڑ لگ گئی۔ وہ سب کہہ رہے تھے۔ کیبن والی باہر آئے۔ کیبن والی باہر آئے۔

ایک گونجتی ہوئی آواز آئی "خاموش ہوجاؤ"

سب خاموش ہوگئے۔ پھر آواز آئی "میں نادیدہ انسان بول رہا ہوں۔

میں درندہ نہیں ہوں۔ اگر ہوتا تو یہاں عورتوں اور بچوں کو نقصان
پہنچاتا لیکن میں نے ان دو دشمنوں کو ہلاک کیا ہے، جو اس کیبن والی
معصوم حسینہ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ وہ حسینہ باہر آ رہی ہے
لیکن یہ وارننگ ہے کہ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے دور سے بھی نقصان
پہنچانے کی حماقت نہ کریں ورنہ میں اس بحری جہاز کو ڈبو دوں گا"
یہ وارننگ سن کر سب سہم گئے۔ سب پر سکتہ طاری ہوگیا۔ پھر وہ
دروازہ آہستہ آہستہ کھل گیا۔ سب نے ایک حسین دوشیزہ کو دیکھا۔ مگر
سہم کر دور ہونے لگے میراں نے کہا "میں تمہارے جیسی ہوں۔ البتہ
میرا ساتھی ایک عجوبہ ہے۔ کسی کو نظر نہیں آتا ہے۔ جو چیز نظر نہ آئے
اس سے ڈر لگتا ہے۔ پہلے میں بھی ڈرتی تھی۔ مگر میرا یہ محبوب بہت
رحمدل انسان ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ اس سے خوفزدہ نہ ہوں۔ اسے
اپنا دوست سمجھیں"۔
بے رینڈم نے ایک مسافر کی زبان سے کہا "دوستی اس سے کی جاتی
ہے جو نظر آتا ہے۔ جو نظر نہیں آتا، وہ پیچھے سے چھرا گھونپ سکتا
ہے"۔

پھر جے ریندم نے فوراً ہی دوسرے مسافر کی زبان سے کہا "یہ دوست ہے۔ عورتوں اور بچوں کے دل کمزور ہوتے ہیں۔ وہ اس کی موجودگی سے سہمے رہیں گے"۔

پھر تیسرے نے ریندم کی مرضی کی مطابق کہا "یہ کسی جو ن عورت کے بستر میں گھس جائے گا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ وہ جوان عورت شرم سے کچھ نہیں کہہ سکے گی"۔

میراں نے کہا "میں اس کی شرافت کا یقین دلا رہی ہوں اور تم لوگوں کو یقین نہیں آ رہا ہے۔ آخر تم سب چاہتے کیا ہو؟ کیا میرے محبوب کو سمندر میں پھینک دیا جائے؟"

جے ریندم نے کیپٹن کے ذریعے کہا "ہم تمہارے یار کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے۔ صرف اس جہاز کے مسافروں سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ اسے جہاز سے باہر سیفٹی بوٹ میں چھوڑا جا سکتا ہے"۔

بابر نے کہا "کیا میں پاگل ہوں کہ سمندر میں بھٹکنے کیلئے تنہا سیفٹی بوٹ میں جاؤں گا؟ ہرگز نہیں"۔

"تم تنہا نہیں جاؤ گے۔ جہاز کے عملے کے تین جوان تمہارے ساتھ

ہوں گے۔ ہم ابھی وائرلیس کے ذریعے پورٹ سے رابطہ کرینگے اور ہیلی کاپٹر بھیجنے کیلئے کہیں گے۔ وہ ہیلی کاپٹر تمہیں ویسٹ بے سنی لے جائے گا"۔

"تو پھر ہیلی کاپٹر بلاؤ۔ اسکی آمد تک میں جہاز میں رہوں گا"

کپتان نے کہا "سوری! یہ چھوٹا سا مسافر بردار جہاز ہے۔ اس کے قریب ہیلی کاپٹر نہیں آئے گا۔ جب ہمارے تین جوان تمہارے ساتھ ہوں گے تو پھر اعتراض کیوں کرتے ہو"۔

"ٹھیک ہے۔ میں جاؤں گا۔ میرے ساتھ میری محبوبہ میراں بھی جائے گی"۔ سب راضی ہوگئے۔ جے رینڈم بھی یہی چاہتا تھا کہ میراں اس جہاز میں مصر کی طرف نہ جائے۔ مصر جائے گی تو اسرائیل پہنچا دی جائے گی یہ فیصلہ ہونے کے بعد اس نے جہاز کے کپتان کو پورٹ والوں سے رابطہ کرنے نہیں دیا۔ وہ خود پرائیویٹ فلائنگ پورٹ میں تھا۔ وہاں پہلے ہی ایک چھوٹا طیارہ چارٹرڈ کرا چکا تھا۔ اور اب وہاں سے اپنے دو حواریوں کے ساتھ پرواز کرنے والا تھا۔

عمارت میں اتنا زوردار دھماکہ ہوا تھا کہ آس پاس کی عمارتیں بھی لرز گئی تھیں۔ پورے شہر میں ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ پولیس اور فوج بڑی مستعدی سے معلوم کرنے کی کوشش میں تھی کہ دھماکہ کس نے کرایا؟ کیوں کرایا؟ اور دھماکے کے وقت ساتویں منزل پر کتنے لوگ ہلاک ہوئے؟

لاشوں کے ایسے چیتھڑے اڑے تھے کہ کوئی ان حرام موت مرنے والوں کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ جان گارسن ایک میجر کے ذریعے کہہ رہا تھا "میں جانتا ہوں۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس مسلمان نے، ہمارے بدترین دشمن کبریا فرہاد نے ایک آلہ کار کے ذریعے اس شہر کے میئر کو اور فوج کے کرنل کو ہلاک کرایا ہے"

اس بات نے پوری سرکار اور انتظامیہ کو شاک پہنچایا۔ فوج کے اعلیٰ افسران غصے میں بپھر گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مولانا عبدالحق کو زندہ نہیں چھوڑیں گے گارسن نے میجر کے ذریعہ کہا۔ "حکومت اور فوج کو صبر، تحمل سے سوچنا چاہیے۔ ہم مولانا کو نہیں ماریں گے تب

بھی وہ مرے گا۔ دوسرے دین دھرم کے لوگ بھی مولانا کے خلاف سر
ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ اسے قتل کر دیں گے لہٰذا ہمیں ان مذہبی
لوگوں کی لڑائی کو دور سے دیکھنا چاہیئے۔ اگر ہم مولانا کے خلاف قدم
اٹھائیں گے تو وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن کبریا ہمیں نقصان پہنچانے
لگے گا۔

تمام شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ شہر ظلمات
میں مولانا کو اذان کی آواز بہت مہنگی پڑے گی۔ اب مولانا کو اپنی
سانسیں گن لینا چاہیئں۔
کتنے ہی لوگ مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں ہندو، یہودی، عیسائی
اور مسلمان سبھی تھے۔ انہیں یقین نہیں تھا کہ آج کی پانچویں اذان
بھی شہر کی فضاؤں میں گونجے گی۔ ویسٹ بے سٹی میں مذہب پہلی بار
سیاست سے ٹکرا رہا تھا۔ اب سے پہلے کسی دین دھرم کی طرف سے
تحریک نہیں چلی تھی اور نہ ہی کسی نے سوچا تھا کہ ایک ننھا مولانا
سیاسی قوتوں سے ٹکرانے کے لئے سر سے کفن باندھ کر پانچوں وقت
کی اذانیں دے گا۔

اذان کا وقت ہوگیا۔ مولانا عبدالحق نے مینار کی بلندی پر پہنچنے کے لئے زینے پر بسم اللہ پڑھ کر قدم رکھا۔ پھر زینے کے ایک ایک پائدان پر قدم رکھتے ہوئے زیرلب کہنے لگے " یا خدا! یہ میری آخری دعا ہے۔ میرے بعد یہ مسجد ویران نہ ہو۔ کل فجر کی اذان سے پہلے پھر کوئی بلالؓ پیدا کر دے۔ آمین!

تو عالم الغیب ہے۔ یہ جانتا ہے کہ میں اذان دینے کے لئے مینار پر کیوں چڑھتا ہوں؟ اذان تو مسجد کے اندر مائکرو فون سے بھی دی جاتی ہے۔ لیکن میں مینار کی بلندی پر جاتا ہوں۔ میرا ایمان کہتا ہے اس شہر کے لوگ اذان بھی سنیں اور سر اٹھا کر اذان کی بلندی کو بھی دیکھیں۔

مسجد کے اطراف تمام مذاہب کے لوگ میرے منتظر ہیں۔ اس لئے مجھے مسجد کی چار دیواری میں نہیں، مینار کی کھلی بلندی سے اذان دینا چاہیئے۔

میرے معبود! آج پانچوں وقت کی اذانیں ہوں گی تو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی تحریک پیدا ہوگی۔ وہ بھی اپنے مذہبی حقوق کیلئے متحرک ہو جائیں گے پھر عبادت گاہوں میں ویرانی نہیں

رہے گی"۔

وہ مینار کی بلندی پر پہنچ گئے۔ نیچے بہت دور تک ایسا مجمع لگا ہوا تھا
جیسے سارا شہر امڈ آیا ہو۔ ان سب کے اندر ایک ہی تجسس تھا کہ
اذان دی جا سکے گی یا نہیں؟ اور یہ کہ آج کے بعد اس شہر میں دین
اسلام کا اور دوسرے مذاہب کا مستقبل کیا ہوگا؟

مولانا نے کہا "یا خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے اذان کو ایک نئی
شان اور عظمت دی ہے۔ آج تک اذان لوگوں تک پہنچائی جاتی تھی۔
آج اسلام کی تاریخ میں پہلی بار لوگ خود چل کر اذان سننے آئے
ہیں"۔

انہوں نے مائیک کو اپنے قریب کیا۔ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے پھر
اذان شروع کی۔ "اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔۔۔"

مجمع میں سے ایک نے گن سیدھی کی۔ "اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔"
کنپٹی میں گولی سنسناتی ہوئی مولانا کے پاس آئی اور دائیں شانے کے
پاس سے گذرتی ہوئی پیچھے دیوار میں پیوست ہوگئی۔

"اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان۔۔۔۔۔"

سارا مجمع دم بخود تھا۔ اس بھیڑ میں دوسری طرف ایک دوسرے دشمن نے گن سیدھی کی۔

"اشھد ان محمد رسول اللہ۔ اشھد ان محمد رسول اللہ۔۔۔"

"ٹھائیں" دوسری گولی سنسناتی ہوئی مولانا کے ایک کان کے پاس سے گذرتی ہوئی پیچھے دیوار میں پیوست ہوگئی۔

مجمع میں ہلچل پیدا ہو رہی تھی کہ کون فائر کر رہا ہے۔ فائر کرنے والوں کے چاروں طرف ان کے اپنے لوگ تھے۔ فائر کرتے ہی گن چھپا رہے تھے۔

جان گارسن بھی اس بھیڑ میں موجود تھا اور یہ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا کہ دو فائر خالی گئے ہیں اور اذان اپنی تکمیل کی طرف جا رہی ہے۔

"حیی الصلوٰۃ۔ حیی الصلوٰۃ۔۔۔"

کبریا بھی اسی بھیڑ میں تھا۔ ان دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو یقین تھا کہ کوئی کسی کو چہرے سے نہیں پہچان سکے گا۔

"حیی اللفلاح۔ حیی اللفلاح۔۔۔"

گارسن کے وہی دو کرائے کے قاتل تھے۔ جو ناکام رہے تھے۔ پھر فائر

کرنے والے تھے۔ لیکن گارسن ان پر بھروسہ کرکے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے لباس سے ایک ریوالور نکالا۔

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔۔۔۔"

"ٹھائیں" تیسری گولی سنسناتی ہوئی آئی۔ "لاا لہ۔۔۔۔"

گولی سیدھی سینے میں پیوست ہوگئی۔ کبریا نے مولانا کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ ان کے اندر توانائی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "بولیں مولانا! الاالله ایمان کے حوصلے سے اذان مکمل کریں۔ بولیں الا اللہ۔۔۔"

مولانا نے آخری تمام قوتوں کو جمع کرکے کہا "ال۔ال اللہ"۔

اس کے ساتھ ہی مولانا کا دم نکل گیا۔ وہاں انہیں سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کا بے جان جسم ریلنگ پر جھکا۔ پھر وہاں سے الٹ کر مینار کی بلندی سے گرتا ہوا مجمع کے بیچ زمین پر آگرا۔

کبریا نے تیسرے فائر کی آواز اپنے قریب ہی سنی تھی۔ چونکہ اذان کی تکمیل لازمی تھی۔ اس لئے وہ قاتل کو چھوڑ کر مولانا کے پاس گیا تھا۔ اب اس نے دماغی طور پر حاضر ہو کر دیکھا۔ کئی مسلمانوں نے اس کی

پٹائی کی تھی۔ اسے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلح فوجیوں نے آکر اسے بچاتے ہوئے کہا "قانون کو ہاتھ میں نہ لو۔ ہم اسے عدالت میں پہنچائیں گے"۔

کبریا نے قریب آکر دیکھا۔ وہ فوجیوں سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے گاڑی تک پہنچاؤ ورنہ یہ لوگ مار ڈالیں گے"

کبریا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اگر وہ زخمی نہ ہوتا تو سانس روک لیتا۔ اس کے کمزور دماغ نے بتا دیا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا جان گارسن ہے۔

کبریا نے کہا "ہیلو گارسن!"

وہ ایکدم سے چونک کر اچھل پڑا۔ سانس روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بھیڑ میں دیکھنے لگا۔ بھیڑ کا رخ مولانا عبدالحق کے بے جان جسم کی طرف تھا۔

کبریا نے کہا "یہ فوجی تمہیں مسلمانوں سے بچا کر لے جا رہے ہیں۔ تمہیں عدالت میں پیش نہیں کریں گے اس شہر کا قانون بھی تمہیں بچا لے گا۔ لیکن موت کا فرشتہ تو تمہارے اندر بول رہا ہے۔ تمہیں

موت سے کون بچائے گا"

"نہیں" وہ چیخ کر فوجیوں سے بولا "وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن میرے اندر ہے۔ مجھے بچاؤ۔ وہ اسی بھیڑ میں ہے اسے تلاش کرو۔ اسے پکڑو"۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ایک فلک شگاف چیخ ماری۔ اس کے دماغ میں زلزلہ ایسا ہوا تھا۔ وہ زمین پر گر کر تڑپ رہا تھا۔ فوجی جوان اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبریا نے کہا "دوسرے زلزلے سے بچنا چاہتے ہو تو اٹھو اور دوڑو"۔

وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دوڑتا ہوا مسجد کے بڑے دروازے کی طرف جانے لگا۔ سب لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ اسے دوڑ کر جانے کیلئے راستہ دے رہے تھے۔ وہ جوتے اتار کے مسجد کے صحن سے گزر کر مینار کے زینے پر آیا اور تیزی سے چڑھنے لگا۔

پھر تمام مجمعے نے اسے مینار کی بلندی پر اس جگہ دیکھا۔ جہاں مولانا نے کھڑے ہو کر اذان دی تھی۔ کبریا نے اس کے دماغ کو ذرا ڈھیل دی تو وہ خود کو مینار کی بلندی پر دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہاں سے واپس جانا

چاہتا تھا۔ کبریا نے کہا "یہاں زلزلہ پیدا کروں گا تو سیدھے بلندی سے پستی میں جاؤ گے"۔

وہ رک گیا۔ مائیک کے پاس آگیا۔ کبریا نے اس کی زبان سے کہا "شہر کے لوگو، ہم مسلمان ہیں۔ ہم اپنے فیصلے کافروں کی عدالت میں نہیں مسجد میں کرتے ہیں۔ میں کبریا فرہاد اس قاتل کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ آپ سب نے اسے قتل کرتے دیکھا ہے۔ میں فوجی سے کہتا ہوں۔ اسے گولی مارو"

کبریا کے پاس کھڑے ہوئے فوجی افسر نے کہا "نہیں۔ اس کا فیصلہ عدالت میں ہوگا۔ اسے نیچے اتارو۔ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا"۔

اس نے ریوالور کا رخ بلندی کی طرف کیا۔ بابر نے فوراً اس کے دماغ پر قبضہ کرکے گولی چلانے پر مجبور کر دیا۔ بابر ادھر گارسن کے دماغ کا قبضہ چھوڑ کر آیا تھا۔ گارسن نے پھر ایک بار چونک کر خود کو بلندی پر دیکھا۔ وہاں سے جانے کیلئے پلٹنا چاہتا تھا۔ اسی لمحہ میں گولی ٹھیک سینے میں لگی۔ وہ کراہتے ہوئے سینہ تھام کر جھکا۔ ریلنگ پر آیا۔ وہاں سے الٹ کر بلندی سے آتے ہوئے سر کے بل ایسے گرا کہ سر

پھٹ گیا اور بھیجہ باہر آگیا۔

باہر آہستہ آہستہ چلتا ہوا مولانا کے پاس آیا۔ مسلمان ان کی میت اٹھا رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ "ہوگی، ضرور ہوگی، فجر کی اذان ضرور ہوگی"۔

ایک نے کہا۔ "میں فجر کی اذان دوں گا"۔

دوسرے نے سینہ ٹھونک کر کہا "مولانا کی قسم، ظہر کی اذان میں سارے شہر کو سناؤں گا"۔

تیسرے نے کہا "اب یہ سیلاب نہیں رکے گا۔ ہم گولیاں کھاتے رہیں گے اور پانچوں وقت کی اذانیں دیتے رہیں گے"۔

اس مجمع میں دوسرے مذاہب کے لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے کہ اب وہ بھی اپنے دینی حقوق کا مطالبہ کریں گے۔

مولانا کی آخری اذان صرف مسلمانوں کو بیدار نہیں کر رہی تھی بلکہ غیر مسلموں میں بھی تحریک پیدا کر رہی تھی۔ ۔

سمندر کی لہروں پر بڑی سی سیفٹی بوٹ ہچکولے کھا رہی تھی۔ اس پر بحری جہاز کے تین جوان تھے۔ ان کے بعد میراں رسی کی سیڑھی کے ذریعہ جہاز سے اتر کر سیفٹی بوٹ میں آگئی۔ بابر اس کے ساتھ سایہ بن کر آگیا۔ پھر رسی کی سیڑھی اٹھا لی گئی۔ سیفٹی بوٹ کا لنگر کھول دیا گیا۔ اس کے بعد وہ بوٹ بحری جہاز سے دور ہونے لگی۔

بحری جہاز کے عملے سے آنے والے جوان میراں کے آس پاس بابر کو دیکھنے کی احمقانہ کوشش کر رہے تھے۔ وہ ان بیچاروں کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ایک نے میراں سے کہا "ہمیں یقین نہیں آرہا کہ تمہارا ساتھی یہاں تمہارے ساتھ ہے"۔

میراں نے کہا "تم نے جہاز میں دیکھا تھا، میرے ساتھی نے ایک بدمعاش کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ تم مجھ سے بدتمیزی کرو۔ وہ ابھی تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گا"۔

وہ مسکرا کر بولا "میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں، تم سے دور ہی رہوں گا"۔

میراں نے کہا "بابر تم خاموش ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

میراں کو کان کے قریب اس کی سرگوشی سنائی دی۔ بابر نے کہا میں اپنے دل کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ کشتی بہت چھوٹی ہے۔ یہ تینوں ہماری باتیں سنتے رہیں گے"۔

میراں نے پنجابی زبان میں کہا۔ "یہ تینوں انگریز ہیں۔ پنجابی نہیں سمجھیں گے"۔

پھر اس نے تینوں سے اپنی زبان میں پوچھا "کیا میری باتیں سمجھ رہے ہو؟ نہیں سمجھ رہے ہو تو لعنت ہے تم پر"۔

وہ تینوں سوالیہ نظروں سے اسے تکتے رہے۔ بابر نے کہا "واقعی اب یہ ہماری باتیں نہیں سمجھ سکیں گے"۔

"تم کچھ کہنا چاہتے تھے؟"

"آہ! ایک نامراد اور کیا کہے گا؟ ہم بند کیبن میں رہے اور نامراد رہے۔ اس سے پہلے ایک بنگلے میں رات گذاری مگر تمہیں چھونے کی اجازت بھی نہیں ملی۔ ہم دو دن اور دو راتوں سے ساتھ ہیں مگر کنوارے ہیں۔ اس کے لئے پھر ایک بار آہ!"

وہ زیرلب مسکراتی اور شرماتی ہوئی بولی "قسمت کو منظور نہ ہو تو
دریا کے کنارے بھی مسافر پیاسے رہ جاتے ہیں"۔

"پیار کے پیاسے جذبوں میں بڑی شدّت ہوتی ہے۔ ہمیں موجودہ
حالات پر غور کرنا چاہئیے۔ ہم گہرے سمندر کی سطح پر بے یارومددگار
ہیں۔ پتہ نہیں ڈوب جائیں گے یا ساحل تک پہنچ سکیں گے؟ ہمیں
اپنی جان کی سلامتی کے لئے سوچنا چاہیئے۔ لیکن پیاسے جذبوں کی شدت
ہمیں نامرادی کا دکھ دے رہی ہے"۔

میراں نے کہا "ہم سے کہا گیا ہے کہ ہمیں یہاں سے لیجانے کے لئے
ہیلی کاپٹر آئے گا۔ او خدایا! کیسی تاریک رات ہے ایسا لگتا ہے سمندر
کی بے رحم لہریں ہمیں نگل لیں گی اور ہمارا وجود گم ہو جائے گا"

"سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے دماغ میں آنے جانے والی کہاں گم
ہو گئی ہے؟ اور وہ دشمن جو ہمیں ایک بند کیبن میں برداشت نہیں کر
سکتا وہ بھی ہمارے پاس نہیں آرہا ہے"۔

"وہ کمبخت ہمارے درمیان ایسے حائل ہوتا رہتا ہے جیسے مجھ سے
نکاح پڑھا لیا ہو"۔

"اس کمبخت سے امید ہے کہ تمہیں یہاں سے لے جانے ضرور آئے گا"۔

جے رینڈم آنے والا تھا۔ پرائیویٹ پورٹ سے فلائی کرتا ہوا سمندر کے ساحل تک پہنچ گیا تھا۔ یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ الپا، میراں کے دماغ میں رہتی ہے۔ وہ میراں کو حاصل کر کے جہاں لے جائے گا، وہاں الپا پہنچ جائے گی۔ اس سے پیچھا چھڑانے کی تدبیر لازمی تھی۔
پھر نادیدہ بابر سے بھی پیچھا چھڑانے کا سوال تھا۔ اور یہ بات ناممکن سی تھی کہ وہ میراں کے سائے کو اس سے الگ کرتا۔ میراں پر تنویمی عمل کرنے کا موقع الپا کبھی نہ دیتی۔ اب میراں کو حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن اس پھول کے ساتھ کانٹے بہت لگے ہوئے تھے۔

اس نے سوچا، جان گارسن سے مدد طلب کرنا چاہیے۔ وہ بھی الپا کا دشمن تھا۔ ایسے وقت اس کے کام آسکتا تھا۔ لیکن اس کام آنے والے کا کام تمام ہوچکا تھا۔ خیال خوانی کی لہریں مردہ دماغ کی ویرانی میں بھٹک کر واپس آگئیں۔

وہ میراں کے پاس آکر بولا "میں تمہارا سچا عاشق بول رہا ہوں۔ تم میرے پیار کی انتہا کو سمجھو۔ میں کسی کو تمہارے قریب برداشت نہیں کرتا ہوں"۔

میراں نے کہا "تم پاگل کے بچے ہو۔ مجھے بیچ سمندر میں چھوڑ کر پیار کا دعویٰ کر رہے ہو۔ ہیلی کاپٹر کب آئے گا"۔

"آرہا ہے۔ فکر نہ کرو۔ کیا وہ تمہارے دماغ میں آتی ہے؟"

"میرے دماغ میں یاد آتی ہے۔ فکر اور پریشانی آتی ہے اور بہت سی باتیں یاد آتی ہیں۔ تم کس کے آنے کی بات پوچھ رہے ہو۔"

"وہ الپا جو تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ کیا وہ موجود ہے؟ اگر نہیں ہے تو کب تک آئے گی؟"

"وہ پچھلی بار آئی تو کھانس رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ بخار تیز ہوتا جا رہا ہے، شاید بخار اترنے تک خیال خوانی نہ کرسکے اس کی واپسی تک میں اپنا خیال رکھوں"۔

یہ سنتے ہی جے رینڈم نے پائلٹ کے دماغ میں پہنچ کر طیارے کا رخ گہرے پانیوں کی طرف کر دیا۔ پھر دوبارہ میراں کے دماغ میں خاموشی

ے پہنچ گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میراں سچ کہہ رہی ہے یا الپا اس کی زبان سے دھوکہ دے رہی ہے۔ اگر دھوکہ ہوگا تو الپا اس کی عدم موجودگی میں میراں سے کچھ نہ کچھ کہہ رہی ہوگی۔

لیکن الپا کی سوچ کی لہریں سنائی نہیں دیں۔ میراں کے دماغ میں خاموشی تھی۔ وہ نادیدہ بابر سے باتیں کر رہی تھی۔ ایسے وقت اس نے طیارے کی آواز سنی۔ سیفٹی بوٹ کے تینوں جوان چونک کر آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد آسمان کی تاریکی میں طیارے کی جلتی بجھتی لائٹ نظر آنے لگی۔

ایک جوان نے ریوالور نکال کر اس کے ذریعے ٹریسر گولی چلائی۔ وہ ایسی گولی تھی جو بلندی پر جا کر ماہتابی کی طرف پھٹ کر روشنی پھیلاتی تھی۔ اس گولی کے ذریعے بھی سمندر کا کچھ حصہ روشن ہوگیا۔ طیارے والوں کو سیفٹی بوٹ نظر آئی۔ طیارہ قریب آنے لگا۔ اس میں سے رسی کی سیڑھی لٹکتی ہوئی میراں کے قریب سے گذر گئی۔ ہیلی کاپٹر ہوتا تو فضا میں ایک جگہ ٹھہرتا۔ پھر میراں سیڑھی پر چڑھ جاتی۔ لیکن طیارہ اس سیفٹی بوٹ کے اطراف گردش کر رہا تھا۔ رسی کی سیڑھی بھی

گردش کر رہی تھی۔

پھر کوشش کرتے کرتے بابر نے سیڑھی پکڑ لی۔ میراں سے بولا۔

"فوراً میری پشت پر سوار ہو جاؤ"۔

میراں نے دیر نہیں کی۔ پشت پر سوار ہوتے ہی رسی کو جھٹکا لگا۔ طیارہ بلند ہو کر جانے لگا۔ ان دونوں کو بھی رسی کی سیڑھی پر لے جانے لگا۔ جے رینڈم طیارے سے دیکھ رہا تھا۔ اسے میراں سیڑھی پر نظر آ رہی تھی۔ بابر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ وہ میراں کو پشت پر لئے رسی کی سیڑھی پر چڑھتا ہوا طیارہ کے دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ کاک پٹ والا طیارہ آمدورفت کے لئے تھا۔ اوپر سے کاک پٹ کو اٹھایا جاتا تھا۔ یوں میراں اندر آ گئی۔ اس کے آتے ہی رینڈم نے اس کی طرف بیہوشی کی دوا اسپرے کی۔ سب نے اپنی ناک پر رومال رکھ لئے تھے۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ الپا اس کے دماغ میں رہے اور یہ معلوم کرے کہ وہ میراں کو کہاں لیجا رہا ہے؟

وہ الپا کی طرف سے مطمئن ہو کر بولا "بابر! میں اچھی طرح سمجھ رہا

ہوں کہ تم موجود ہو۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے پہلے سمجھ لینا کہ میرے آدمی فوراً ہی میراں کو گولی مار دیں گے"۔

سیفٹی بوٹ میں وہ بیچارے تینوں منتظر تھے کہ اب ان کیلئے سیڑھی پھینکی جائے گی۔ لیکن وہ طیارہ ایک بڑا چکر کاٹنے کے بعد جا رہا تھا۔ ایک جوان نے پھر ریوالور کے ذریعے ٹریسر گولی چلائی۔ اس کی روشنی سے وہ صاف دکھائی دینے لگے۔ لیکن وہ طیارہ ایک بے وفا محبوبہ کی طرح انہیں دھوکہ دیکر جا رہا تھا۔ (سرورق ملاحظہ فرمائیں)

بابر نے رینڈم کی بات کا جواب نہیں دیا۔ بیہوشی کی دوا اسپرے کرتے وقت اس نے سانس روک لی تھی اور میراں کی ناک پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ چونکہ وہ سانس روکنے کی عادی نہیں تھی۔ اس لئے سانس روکنے کے باوجود اس نے تھوڑی سانس لی۔ پھر بیہوش ہوگئی۔

ایسے وقت کبریا نے مخاطب کیا "چھوٹے"

اس نے کہا "بول بڑے"

"ایک افسوس ناک اطلاع ہے۔ مولانا عبدالحق، راہ حق میں شہید ہوگئے"۔

"اوہ، خدا مغفرت کرے۔ ایسی ہستیوں کو دین اسلام کی تبلیغ کیلئے زندہ رہنا چاہیے"۔

"ہماری دنیا میں جانباز مومنین کی کمی نہیں ہے۔ مولانا کی آخری اذان، آخری عمل ایک عملی تبلیغ تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی متاثر کیا ہے۔ کیا تم دونوں کو اغوا کیا جا رہا ہے؟"

"فی الحال تو ہم اغوا کیے جا رہے ہیں۔ جہاں پہنچیں گے، وہاں دیکھا جائے گا کہ کس نے کسے اغوا کیا ہے"۔

"کیا الپا ایسا کر رہی ہے؟"

"الپا خیال خوانی کے ذریعے ہے۔ مگر اس نے خاموشی اختیار کی ہے۔ جے ریند‌م جسمانی طور پر طیارے میں موجود ہے"۔

"ہم طیارے میں اس کا کباڑا کر سکتے ہیں۔ لیکن دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ طیارہ کس کروٹ بیٹھنے والا ہے"

مکران کے مغرب میں بحیرہ عرب کے ساحل پر ایک ریگستانی اور چٹانی میدان تھا۔ طیارہ وہاں اتر گیا۔ رات اندھیری تھی۔ دور دور تک ایسی تاریکی تھی جیسے ساری دنیا پر سیاہی پھیر دی گئی ہو۔ ایک جگہ

بکڑے ہوئے طیارے میں خاموشی تھی۔ جے رینڈم بھی خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا اطمینان اور خاموشی بتا رہی تھی کہ اسے کسی کا انتظار ہے۔

میراں ایک سیٹ پر آدھی بیٹھی اور آدھی لیٹی ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے سے پہلے وہ ذرا کسمسانے لگی۔ جے رینڈم نے کہا "یہ ہوش میں آ رہی ہے۔ ابھی اسے بیہوش رہنا چاہیئے۔ ورنہ الپا چلی آئے گی۔

اس نے ماتحت سے اسپرے کین لیا تاکہ دوبارہ اسے بیہوش کرے۔ وہ اس کے چہرے کے سامنے اسپرے کرنا چاہتا تھا۔ اچانک ہی وہ اسپرے کین اس کی طرف گھوم گیا۔ بیہوشی کی دوا اس کی سانسوں میں گھل مل کر دماغ تک پہنچی۔ پھر وہ چکرا گیا۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ اسکے ہاتھ جیسے آہنی شکنجوں میں پھنس گئے ہیں۔ نہ وہ اپنے ہاتھ چھڑا سکتا تھا اور نہ ہی اسپرے کا رخ پھیر سکتا تھا۔ اگرچہ تھوڑی سی دوا سانسوں میں ملی تھی۔ اس کا اثر زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔ پھر بھی وقتی طور پر وہ غافل ہو گیا تھا۔ اس کے دونوں ماتحتوں کی سمجھ میں پہلے یہ نہیں آیا کہ ان کے باس نے خود پر کیوں اسپرے

کیا ہے۔ جتنی دیر میں یہ بات سمجھ میں آتی اس سے پہلے اسپرے کین کا رخ ان کی طرف ہوگیا۔ کین سے دوا نکل کر ان کی طرف آئی۔ پھر وہ دوا پائلٹ کی طرف گئی۔ اس دوران بابر نے میراں کے منہ پر اس کا دوپٹہ رکھ دیا تھا۔

پھر اس نے کاک پٹ اٹھا دیا۔ تازہ ہوا کا جھونکا آنے لگا۔ جے رینڈم اسکے دونوں ماتحت اور پائلٹ بیہوش ہوگئے تھے۔ میراں ہوش میں آگئی۔ اس نے اٹھ کر طیارے کی اندرونی روشنی میں دیکھا۔ سب کی آنکھیں بند تھیں۔ بابر نے اندر رکھے ہوئے سامان کی تلاشی لیتے ہوئے کہا "یہ بے ہوش ہو چکے ہیں۔ تم طیارے سے نیچے اترو۔ میں آرہا ہوں"

وہ طیارے سے باہر جانے لگی۔ بابر نے ایک ٹارچ، ایک لیزر گن اور ایک ریوالور لیا۔ ریوالور کے کارتوس، کچھ پھل اور کھانے کی چیزیں ایک بیگ میں رکھیں، پانی کا ایک کین شانے سے لٹکایا۔ پھر طیارے کی اندرونی لائٹ بجھا کر باہر آگیا۔ اسے آواز دی "میراں، تم کہاں ہو؟" پھر اس نے ٹارچ روشن کی۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ دور بہت

دور ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آنے لگیں۔ وہ میراں کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑنے لگا۔ آگے جا کر ٹارچ بجھا دی۔ اسے ایک چٹان کے پیچھے چھپا دیا۔ خود کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے پوچھا "ہتھیار کا استعمال جانتی ہو؟"

"ریوالور سے گولیاں چلا سکتی ہوں۔ مگر نشانہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ یہ ریوالور لو۔ فاضل گولیاں اس بیگ میں ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔ میرا یہیں انتظار کرنا"

وہ جانے لگا۔ پھر پلٹ کر بولا "میں تمہیں دکھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ تمہارے ابا دین اسلام کی سر بلندی کے لئے شہید ہو گئے ہیں"۔

میراں کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ بابر اندھیرے میں اس کی بھیگی آنکھیں نہ دیکھ سکا۔ وہ گاڑی طیارے کے قریب پہنچ رہی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا ادھر جانے لگا۔

گاڑی رک گئی تھی۔ اسے ڈرائیو کرنے والے نے کئی بار ہارن بجایا۔ اس گاڑی میں دو مسلح شخص تھے۔ ایک نے کہا۔ "کیا بات ہے۔ طیارے

سے کوئی باہر کیوں نہیں آرہا ہے"۔
دوسرے نے کہا "کوئی گڑبڑ ہے"۔
کبریا بابر کے اندر تھا۔ ان کی آوازیں سن کر ادھر چلا گیا۔ ایک نے ڈرائیور سے کہا "جاؤ دیکھو طیارے میں کوئی ہے یا نہیں؟"
ڈرائیور وہاں گیا۔ پھر طیارے پر چڑھ کر اندر دیکھتے ہوئے بولا "سرجی! ادھر چار بندے لڑھکے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں جی! زندہ ہیں یا مر گئے"۔
"یہ بتاؤ کوئی حسین چھوکری ہے یا نہیں؟"
"کوئی نہیں ہے جی"۔
"واپس آؤ۔ ہم خواہ مخواہ کسی لفڑے میں نہیں پڑیں گے"۔
کبریا نے اس کے خیالات سے معلوم کیا کہ وہ اس علاقہ کا مالک تھا۔ اس ساحلی علاقہ سے اسمگلنگ کرتا تھا۔ ہیروئن سے لیکر حسین لڑکیوں تک کی اسمگلنگ اس علاقہ سے ہوتی تھی۔
ڈرائیور گاڑی میں آکر بیٹھا۔ اسے اسٹارٹ کرنے لگا۔ اس اسمگلر کے دماغ میں ایک نسوانی آواز ابھری "مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو اور میں اس

سامنے والی چٹان کے پیچھے انتظار کر رہی ہوں"۔

گاڑی واپس جانے کے لئے یوٹرن لے رہی تھی۔ اسمگلر نے کہا "گاڑی روکو۔ میرے اندر کوئی بول رہی ہے"۔

دوسرے اسمگلر نے کہا "یار! تیرے تو خواب میں بھی لڑکیاں بولتی رہتی ہیں۔ اس سلاٹر (جے رینڈم) نے تجھ سے کہا تھا کہ پہلے ایک حسینہ کو اپنے پاس ایک رات رکھے گا۔ پھر تجھے دے گا اور تو راضی ہوگیا۔ جھوٹا مال بھی لے گا اور اس کے دس لاکھ ڈالر بھی دے گا۔ یار تیری مت ماری گئی ہے"۔

دماغ میں پھر نسوانی آواز ابھری "میں چٹان کے پیچھے ہوں اور بالکل فریش ہوں۔ دیر کروگے تو میرا محافظ آجائے گا"۔

کبریا نے سمجھ لیا کہ الپا بول رہی ہے۔ اس نے کہا "الپا! تم ایسی دلالی کرکے کیا حاصل کرنا چاہتی ہو؟ میراں تمہاری بیٹی کے برابر ہے"۔

وہ کبریا کے دماغ میں آکر بولی "میں جانتی ہوں تم اور بابر اس کی حفاظت کیلئے موجود ہو۔ اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ان اسمگلروں اور دلالوں کی شامت آئے گی۔ پھر جتنی دیر ان کی حجامت ہوتی رہے گی

تنی دیر میں بے رینڈم کو ہوش آجائے گا اور میں اس کے دماغ پر قبضہ جما سکوں گی۔ دراصل اسی کو شکنجے میں لینے کے لئے میں آج شام سے میراں کے پیچھے دوڑا رہی ہوں۔

دونوں اسمگلر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے چٹان کے پاس آئے۔ ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تو اس کے حسن کی چکا چوند سے پلکیں جھپکنا بھول گئے۔ وہ رو رہی تھی اور اپنے آنچل سے آنسو پونچھتی جا رہی تھی۔ ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "آنچل کیوں بھگو رہی ہو۔ ان موتیوں کو میں سمیٹ لیتا ہوں"۔

اس نے آنسو پونچھنے کے بہانے اسے چھونا چاہا۔ اسی وقت اس کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ پڑا۔ وہ الٹ گیا۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "کون ہے؟ کس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے؟"

اسے آواز سنائی دی "جو اسے ہاتھ لگانا چاہتا ہے وہ صرف ہاتھ نہیں لات بھی کھاتا ہے"۔

مار کھانے والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تم اس حسینہ کو ذرا ہاتھ لگاؤ"۔

"ضرور لگاؤں گا۔ اسے تو دیکھتے ہی چھونے کو دل مچلتا ہے"۔

اس نے قریب آکر میراں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر ایکدم سے لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ یوں لگا تھے جیسے کسی نے منہ پر لات ماری ہو۔ وہ بولا "مجھے کس نے لات ماری ہے؟"

"ابھی مجھے کسی نے کہا تھا کہ جو اسے ہاتھ لگانا چاہے گا اسے ہاتھ بھی کھانا ہوگا اور لات بھی۔ مجھے ہاتھ پڑا، تجھے لات پڑی"۔

دوسرے نے پوچھا "کیا یہ بلا اس ہوائی جہاز میں آئی ہے"؟

"ہاں! جہاز میں جو مردہ پڑے ہیں، انہیں اسی بلا نے مارا ہے۔ اسے گولی مار دینا چاہیے"۔

جس نے گولی مارنے کا کہا اس کے ہاتھ سے بابر نے گن چھین لی۔ وہ گن فضا میں معلق نظر آرہی تھی اور خود گن والا اس کے شانے پر تھا۔ وہ چیخ مار کر بھاگنے لگا۔ دوسرا کب ٹھہرنے والا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور اس گاڑی کو وہاں سے بھگاتا لے گیا۔

جے ریندم اور اس کے حواری ہوش میں آگئے۔ الپا نے اس کے دماغ

میں آکر کہا۔ "ہیلو بھگوڑے! مجھ سے بہت بھاگتے رہے۔ اب تو میں
تمہارے اندر آگئی ہوں۔ اب کہاں جاؤ گے"
وہ پریشان ہو کر بھاگنے کے انداز میں کاک پٹ سے باہر آیا۔ پھر
طیارے پر سے چھلانگ لگا کر زمین پر آیا۔ الپا نے کہا۔ "اوپر سے نیچے
آئے۔ اب کہاں جاؤ گے؟"
ہوش میں آنے کے بعد اس کی دماغی توانائی بحال نہیں ہوئی تھی۔
اس موقع سے الپا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ وہ بولی "سلاٹر! بڑی مدت کے
بعد قابو میں آئے ہو۔ یہیں زمین پر لیٹ جاؤ۔ میں تمہیں گہری نیند سلا
کر تم پر تنویمی عمل کروں گی"۔
"نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں تمہارا تابعدار نہیں بنوں گا۔ کبھی نہیں بنوں
گا"۔
"انکار کرو گے تو مر جاؤ گے۔ اب زندہ رہنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ
میرے غلام بن جاؤ"۔
کبریا نے کہا "سوری الپا! ہم تمہیں اسے قتل کرنے کی اجازت دیں
گے لیکن اسے غلام نہیں بننے دیں گے"۔

دو شمن غلام بنے گا تو تمہیں خوش ہونا چاہیے"۔

"ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا تمہارا غلام بنے گا تو تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔ یہ اکیلا شیطان ہی میراں کیلئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ تمہارے سائے میں تو یہ شیطان کا باپ بن جائے گا"۔

پھر اس نے رینڈم سے کہا "جب سے ایک مومن شہر میں اذان دینے آیا۔ تب سے تم اس کی بیٹی کے پیچھے پڑ گئے۔ جانتے ہو، ان باپ بیٹی کے دشمنوں کا انجام کیا ہوا ہے؟ میرؔ اور کرنل بم کے دھماکے میں مارے گئے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والا جان گارسن بھی حرام موت مارا گیا۔ بابر نے تمہارے خاص ماتحت قاسم سردار اور ماسٹر اورے گا کا کیا حشر کیا تھا یہ تم دیکھ چکے ہو۔ اور اب تم آخری دشمن رہ گئے ہو"۔

یہ کہہ کر اس نے رینڈم کے دماغ میں زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چیخیں مار کر تڑپنے لگا۔ الپا نے کہا۔ "کبریا میں کہتی ہوں، اسے میرے حوالے کردو۔ اسکی جان نہ لو۔ ورنہ میں میراں کے دماغ میں زلزلے پیدا کروں گی"۔

"یہ تو ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ تم آخری حربہ یہی استعمال کروگی اور ایسے وقت بھول جاؤ گی کہ تمہاری بھی ایک جوان بیٹی ہے اور میں بھی

اس کے دماغ میں پہنچ سکتا ہوں"۔

"تمہارے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے اس کے دماغ کو لاک کر دیا ہے"۔

"بڑی بڑی تجوریوں کے تالے توڑ دیئے جاتے ہیں۔ جاؤ چند سیکنڈ کے لئے بیٹی کے پاس جاؤ۔ وہاں بھی مجھ سے ملاقات ہوگی"۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔ تم اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے۔ میں ابھی جاکر دیکھتی ہوں"۔

وہ فوراً ہی اپنی بیٹی کے پاس آئی۔ اس کے دماغ میں پہنچ کر بولی "بیٹی رمنا! کیا تمہارے دماغ میں کوئی آتا ہے؟"

"نو ماما! تم نے تو میرا دماغ لاک کیا ہے۔ بھلا کوئی کیسے آسکتا ہے؟"

کبریا کی آواز سنائی دی "ایک جوان لڑکی بھلا اپنی ماں سے کیسے کہہ سکتی ہے کہ ایک جوان چوری چھپے آتا ہے۔ بہرحال ابھی معاملہ میراں کی حفاظت کا ہے۔ تمہیں بیٹی سے محبت ہے تو بیٹی کے پاس رہو۔ میراں کی طرف آکر اپنی کوکھ میں آگ نہ لگاؤ"۔

وہ رینڈم کے دماغ میں آکر بولا "خوش ہوجاؤ۔ الپا اب نہیں آئے

گی"۔

"یہ تمہارے لئے خوشی کی بات ہے۔ وہ نہیں آئے گی۔ مجھے غلام نہیں بنائے گی تو تم مجھے مار ڈالو گے"۔

"میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑوں گا۔ تم میراں کے مجرم ہو۔ وہی تمہیں سزا دے گی"۔

ریندم نے دور کھڑی ہوئی میراں کو دیکھ کر کہا "میراں! مجھے معاف کردو۔ آئندہ میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گا"۔

وہ اب تک باپ کی شہادت پر آنسو بہا رہی تھی۔ آنسو پونچھتی ہوئی بولی "مجھ سے کیوں معافی مانگ رہے ہو؟ کیا مجھے بہت زیادہ طاقت اور اختیارات حاصل ہوگئے ہیں؟ کیا تمہاری دماغی توانائی بحال ہوگئی تو تم پہلے کی طرح ظالم نہیں بنو گے؟"

اچانک ریندم کی گردن پر کراٹے کا ہاتھ پڑا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا میراں کے سامنے اوندھے منہ گر پڑا۔ وہ بولی "میرے اندر آتش فشاں دہک رہا ہے۔ اسے ویسٹ بے سٹی لے چلو"۔

جہاز سے ریندم کے حواری اتر گئے تھے۔ بابر نے انہیں وہاں سے بھگا

دیا۔ میراں اور رینڈم کے ساتھ طیارے میں بیٹھ گیا۔ پائلٹ اس کا حواری نہیں تھا۔ وہ پائلٹ کے دماغ پر قبضہ جما کر اپنی مرضی کے مطابق جہاز اڑاتا رہا تھا۔ اب وہ رینڈم کی ٹیلی پیتھی سے آزاد تھا۔

کبریا نے کہا "چھوٹے! تم میراں اور اس کے مجرم کے ساتھ آقہ میں شہر میں ملوں گا"۔

وہ دماغی طور پر مسجد کے حجرے میں حاضر ہوگیا۔ مولانا عبدالحق کی تدفین کے بعد وہ حجرے میں آگیا تھا اور یہ طے کرچکا تھا کہ صبح کی اذان دینے اور نماز پڑھنے کے بعد اپنی رہائش گاہ میں جائے گا۔

صبح ہونے والی تھی جب وہ حجرے سے نکل کر مسجد میں آیا تو حیران ہوگیا۔ مسجد کے اندر اور باہر مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ ان میں سے کئی ایک دوسرے سے بحث کر رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا "میں اذان دوں گا"۔

کوئی کہہ رہا تھا "نہیں مجھے شہید ہونے دو۔ میں اذان دوں گا"۔

کوئی کہہ رہا تھا "میں دنیا میں اکیلا ہوں۔ میرے پیچھے کوئی رونے والا نہیں ہے۔ اذان میں دوں گا"۔

صبح کی اذان کے لئے ابھی کافی وقت تھا۔ پرائیویٹ فلائنگ پورٹ مسجد سے پانچ کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا۔ بابر اور میراں وہاں جے رینڈم کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ کبریا نے جے رینڈم کے اندر جاکر معلوم کیا۔ اس کی دماغی توانائی بحال ہو رہی تھی۔ وہ کسی وقت بھی سانس روکنے کے قابل ہو سکتا تھا اور اپنے دماغ کو لاک کر سکتا تھا۔ وہ پرائیویٹ

ائیرپورٹ سے باہر آرہے تھے۔ کبریا نے پھر اس کے اندر زلزلہ پیدا کیا۔ وہ چلتے چلتے اچانک ہی چیخ مار کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔

کبریا نے بابر کے دماغ میں کہا "چھوٹے! اسے اس طرح کمزور کرنا ضروری تھا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ اسے مسجد کے پاس لے آؤ"۔

بابر نے اسے سہارا دے کر زمین سے اٹھایا۔ پھر اسے ایک رینٹڈ کار میں اگلی سیٹ پر بٹھایا۔ میراں پیچھے بیٹھ گئی۔ وہ کمپیوٹر گائیڈنس کے مطابق کار ڈرائیو کرتا ہوا مسجد کے پاس آیا۔ وہاں بے شمار مسلمان نظر آرہے تھے۔ مسجد کے باہر ایک اونچا چبوترا تھا۔ وہاں کبریا کھڑا ہوا تھا۔ میراں، جے رینڈم کے ساتھ کار سے باہر آئی پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی چبوترے پر پہنچ گئی۔ بابر کار کے اندر بیٹھا رہا۔

میراں نے چبوترے پر آکر کہا "میرے بزرگو! اور بھائیو! میں مولانا عبدالحق شہید کی بیٹی ہوں۔ اس شہر کے جتنے دشمن ہم باپ بیٹی کی جان لینا اور عزت سے کھیلنا چاہتے تھے۔ وہ سب ایک ایک کر کے حرام موت مرچکے ہیں۔ صرف یہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن رہ گیا ہے۔ یہ میری عزت کی دھجیاں اڑانا چاہتا تھا۔ میری بھاری قیمت لے کر مجھے

عیاش سرمایہ داروں کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب یہ اپنے انجام کو پہنچنے کے لئے یہاں تک آگیا ہے۔ یہاں دور تک قانون کے مسلح محافظ کھڑے ہوئے ہیں۔ شاید یہ اذان دینے سے روکنے آئے ہیں۔ میں کہتی ہوں، یہ اپنے آپ پر رحم کھائیں اور ان کی طرح حرام موت نہ مریں، جو دین اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہے تھے۔ ان کی بندوقوں میں اتنی گولیاں نہیں ہیں، جتنے اذان دینے والے ہیں"۔

"ہم نے عشاء کی نماز کے وقت کہا تھا کہ ہم مسلمان اپنے فیصلے مسجد میں کرتے ہیں۔ ہم دلال مجرم جے رینڈم کو سزائے موت سنا رہے ہیں۔ اگر مذہب کے خلاف قانون کے محافظ جے رینڈم کو سزائے موت سے بچا سکتے ہیں تو بچا لیں"۔

میراں نے جے رینڈم کو دھکا دے کر کہا "جاؤ۔ وہ ہتھیار والے تمہاری حفاظت کریں گے"۔

وہ چبوترے سے اتر کر فوجی جوانوں کی طرف دوڑتا ہوا جانے لگا۔ کبریا نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ وہ ایک افسر کے پاس پہنچتے ہی اس کے ہاتھ سے گن چھین کر بولا "کیا میری حفاظت خاک کرو گے۔

میں نے گن چھینی اور تم نے دے دی"۔

یہ کہتے ہی اس نے افسر کو گولی مار دی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ فوجی جوان اپنے افسر کے قاتل کو پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ چاروں طرف گھوم کر فائر کرنے لگا۔ کچھ وہاں سے بھاگے، کچھ گولیاں کھا کر گرے۔ کچھ نے پلٹ کر فائرنگ کی تو بے رینڈم گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔ زمین پر گر کر اس نے ذرا سر اٹھا کر چبوترے پر کھڑی ہوئی میراں کو دیکھا۔ آہ قدرت کا وہ حسین شاہکار صرف دیکھنے کے لئے اور للچانے کے لئے تھا۔

پھر اس کا سر یکبارگی زمین پر ڈھلک گیا۔

میراں نے کہا "ہم باپ بیٹی کی روداد اس شہر میں قدم رکھتے ہی شروع ہوئی تھی اور ہمارے آخری دشمن کی موت کے ساتھ ختم ہو رہی ہے۔

ہاں، مگر ایک میں رہ گئی ہوں۔ یہ سوال کرنے کیلئے رہ گئی ہوں کہ ہمیں کس جرم میں اجاڑ دیا گیا ہے۔ یہ ظلمات کا شہر کس نے بسایا ہے۔ یہ تو پاکستان کی زمین ہے۔ ہمارے لئے پرائی بنا دی گئی ہے۔ اسلام کی سربلندی کی کوشش پاکستان میں ممنوع ہے۔ میرے ابا نے

وشش کی اور انہیں گولی مار دی گئی۔ اگر کبرہ اور بابرہ نہ ہوتے تو
میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی"۔

"اے مسلمانو! اب سے اکیس برس پہلے ۱۹۹۵ میں جو بستے ہو تو جو
اور ان پاکستانیوں سے پوچھو، انہوں نے یہ شہر بسانے کیلئے پاکستان کی
یہ زمین کیوں فروخت کی؟"

"اگر مفاد پرست راہنما اسے فروخت کر رہے تھے تو تمام پاکستانی
خاموش تماشائی کیوں بنے ہوئے تھے؟"

ان ۱۹۹۵ کے پاکستانیوں سے کہو کہ وہ ۲۰۱۶ کے پاکستان کو آکر
دیکھیں۔ ہم ان پاکستانیوں کی نسلیں ہیں۔ انہوں نے پاکستان کی اس
زمین کو اپنی آئندہ نسل کے لئے سوتیلی ماں بنا دیا ہے"۔

میں احتجاج کرتی ہوں اپنے بزرگ پاکستانیوں سے اور میں احتجاج
کرتی ہوں اپنے موجودہ پاکستانی جوانوں سے اور قسم کھاتی ہوں: جب
تک اس شہر میں مذہبی حقوق نہیں ملیں گے اس وقت تک کے لئے
میں گوشہ تنہائی میں چلی جاؤں گی۔ جب تک شریف زادیوں کو درندوں
سے تحفظ حاصل نہیں ہوگا اور جب تک اسے خالص پاکستانی شہر نہیں

بنایا جائے گا تب تک میں کسی کے سامنے نہیں آؤں گی۔ روپوش رہوں گی۔ میں چاہتی ہوں، میری روپوشی تمام مسلمانوں کے لئے شرم کا باعث بنے۔ اس روپوشی کو ایک بہن اور ایک بیٹی کی طرف سے چیلنج سمجھ کر قبول کریں۔ میرے ابا نے یہاں پانچوں وقت اذانیں دیں۔ اب کوئی مجاہد آئے اس شہر میں پاکستانی پرچم لہرائے"۔

"پاکستان پرچم لہرانے تک تمام پاکستانیوں کو میرا الوداعی سلام!"

وہ چبوترے سے اتر کر مجمع کے درمیان سے گذرتی ہوئی جانے لگی۔ بابر نے کار سے نکل کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا "یہ کیسا فیصلہ کیا ہے؟ تنہا کہاں جاؤ گی؟ کہاں رہو گی؟ ہزاروں عیاش پھر تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے"۔

"مجھے بھول جاؤ۔ میں آئندہ تمہارے سامنے بھی نہیں آؤں گی۔ ایسی تدبیر سے روپوش رہوں گی کہ ہوس کے پجاری بھی مجھے تلاش نہیں کر سکیں گے واپس جاؤ۔ مجھے اپنے عہد پر قائم رہنے دو۔ یوں سمجھو، میں ایک ڈرامے کا کردار تھی۔ اس شہرِ ظلمات کے اسٹیج پر آئی اور اپنے حصے کا رول ادا کر کے جا رہی ہوں"۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی مسجد کی دیوار کے دوسری طرف جا کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اوجھل ہونے والی اب کبھی واپس نہیں آنے والی تھی۔ بابر انتظار کرتے کرتے ایک دن مایوس ہونے والا تھا۔ اس کا مقدر یہی تھا کہ ایک کنواری اسے کنوارا چھوڑ جائے۔

وہ ایک شاہکار تھی۔ سب کی مطلوب تھی۔ سب نے اس کے لئے دامن پھیلایا تھا۔ لیکن وہ سب کے دامن میں حسرت اور انتظار کے سکے ڈال کر چلی گئی۔

بابر کار کی اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ سامنے مینار کی بلندی سے اذان کی آواز گونجنے لگی تھی۔

پھر اذان پوری ہوگئی۔ ایک گولی نہیں چلی۔ یہ اس شہر میں پاکستانیوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اور اس کامیابی کا سہرا مولانا عبدالحق شہید کے سر تھا۔

ختم شد

فرہاد علی تیمور سیریز

آئندہ متوقع ناول

"کرُڑیاں وی آئیَ پی"

مصنّف: محی الدین نواب

وہ کرُڑیاں زہر کی پڑیاں تھیں۔ وہ کلاشنکوف اور راکٹ لانچر ہاتھوں سے نہیں، ابرو کے اشاروں سے چلاتی تھیں۔ وہ آتیں تو بہار بن کر آتیں، جاتیں تو بے سروسامان کر کے چلی جاتی تھیں۔ وہ دل لینے میں شیریں گفتار تھیں۔ جان لینے میں سبک رفتار تھیں اور جان کی بازی لگانے میں بڑی تیز طرار تھیں۔ مردوں کا مقدر جب کرُڑیوں کے ہاتھ میں ہو تو کیا حشر برپا ہوتا ہے؟

یہ قہقہوں اور سسپنس سے بھرپور ناول پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا

خالد ظہور پبلی کیشنز۔ کراچی

فرہاد علی تیمور سیریز

آئندہ متوقع ناول

"آگ کا پجاری"

مصنف:۔ محی الدین نواب

اس کے اندر آگ بھری تھی۔ وہ انگاروں پر لوٹتا اور انگارے چباتا تھا (محاورتاً)۔
محبت کی آگ سے کھیلتا تھا اور نفرت کی آگ سے جلاتا تھا۔ اسے کسی حربے سے مارا نہیں جا سکتا تھا۔ آگ بجھتی تھی تو وہ مرتا تھا۔ آگ بھڑکتی تھی تو وہ جی اٹھتا تھا۔ آگ کے پجاریوں کے سلسلے میں ایسی حیرت انگیز اور ناقابل فراموش کہانی پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔

خالد ظہور پبلی کیشنز۔ کراچی

فرہاد علی تیمور سیریز

آئندہ متوقع ناول

"کالی بلا"

مصنف۔ محی الدین نواب

ایک ایسی بلا کی کہانی جو سیاہ فام تھی اور شہر دشمناں کی حکمران تھی۔ وہ
کالی بلا تاریکی میں نظر نہیں آتی تھی۔ اور بابر بھی نادیدہ ہے
اندھیرے میں بابر اور کالی بلا کا ٹکراؤ، آپ کو حیرتوں اور مسرتوں کے
ایک دلچسپ ماحول میں لے جائے گا۔ حرف حرف حیرت، سطر سطر
سسپنس سے بھرپور ناول۔